درد کے درمیان
(منی افسانے)
عظیم راہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درد کے درمیاں

(منی افسانے)

عظیم راہیؔ

زیر اہتمام
تفہیم پبلی کیشنز
عابدہ منزل، کریم کالونی روشن گیٹ اورنگ آباد۔

میں کاغذ کی تقدیر پہچانتا ہوں
سپاہی کو آتا ہے تلوار پڑھنا

(بشیر بدرؔ)

کتاب کا نام	:	درد کے درمیاں
مصنف کا نام	:	عظیم راہی
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	محمد عبدالعزیز، محمد الغفار بیتی، النکار ایڈورٹائزرس، سلیم کامپلیکس، روبرو برہانی نیشنل ہائی اسکول، دیوڑھی بازار، اورنگ آباد
ترتیب وانتخاب	:	متین قادری، احمد خان
تہذیب وتدوین	:	نورالحسنین
سن اشاعت	:	اوّل ۲۰۰۲ء
سرورق	:	محمد عبدالعزیز، عبدالغفار بیتی، محمد ابراہیم
تعداد	:	۶۰۰
ناشر	:	شبانہ عظیم
قیمت	:	۱۵۰ روپے
طباعت	:	سویرا آفسیٹ پرنٹرس، نزد بھڑکل گیٹ، اورنگ آباد
مصنف کا پتہ	:	فلیٹ نمبر A/6 نعمان اپارٹمنٹ، نیو شاہ بازار روڈ اورنگ آباد (مہاراشٹر)

ملنے کے پتے

۱) عابدہ منزل، کریم کالونی روشن گیٹ اورنگ آباد۔
۲) مکتبہ اسلامی بمقابل درگاہ حضرت بے میاں شاہ گنج اورنگ آباد۔ دکن
۳) ناز بک ڈپو لوٹا کارنجہ اورنگ آباد۔ دکن
۴) ایڈیٹر قرطاس، آغوش مریم مومن پورہ ناگپور 440018

یہ کتاب وجد میموریل ٹرسٹ اورنگ آباد کے جزوی مالی تعاون سے شائع ہوئی۔

انتساب

شریک حیات شبانہ عظیم کے نام
جس نے ہمیشہ گھر میں،
لکھنے پڑھنے کے لئے خوشگوار ماحول بنا کر
میرے اِس شوق کو جنون بنا دیا۔

فہرست

قلمی تعارف

پورا نام:	محمد عظیم الدین ولد محمد سلیم الدین صاحب (مرحوم)
قلمی نام:	عظیم راہی
تاریخ پیدائش:	۱۹؍ جون ۱۹۵۸ء
تعلیمی لیاقت	۱) بی ایس سی (ریاضی) ۲) ایم اے (اردو) مرہٹواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد
مصروفیت:	سرکاری ملازمت ۔ بحیثیت ٹیلی کام ٹیکنیکل اسسٹنٹ محکمہ 'مواصلات' اورنگ آباد
تصانیف:	۱) ''پھول کے آنسو'' (منی افسانوں کا مجموعہ) ۸۷ء ۲) ''اگلی صدی کے موڑ پر'' (افسانے) ۹۶ء
زیر ترتیب کتابیں:	۱) اپنے دائرے کا قیدی (افسانے) ۲) مرہٹواڑہ میں اردو افسانہ 'ایک انتخاب'' ۳) آبگینے ۔ (تبصرے تجزیے) ۴) شخصیت ۔ فن کے آئینے میں (تاثراتی مضامین) ۵) اردو میں سیاہ حاشیے کی روایت کا تنقیدی مطالعہ ۶) دکھ بولتے ہیں ۔ (نثری نظمیں) ۷) بن بلایا مہمان ۔ (طنز و مزاح) ۸) جدید افسانہ ۔ ۷۰ء کے بعد ۔ ایک مطالعہ
انعامات و اعزازات:	۱) کالج میگزین کمپیٹیشن میں مرہٹواڑہ یونیورسٹی کی جانب سے افسانہ ''جاگتی آنکھوں کے خواب'' کو انعام اول ۔ ۲) مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکیڈمی کی جانب سے افسانوی مجموعہ ''اگلی صدی کے موڑ پر'' کو پہلا انعام ۔ ۳) غالب کلچرل اکیڈمی (بنگلور) سے کرشن چندر اعزازی ادبی ایوارڈ ۔

پیش لفظ

قاری موجود ہے۔

آج اردو افسانہ تجربات کی بھٹی سے کندن بن کر پھر ایک بار اپنے پورے لوازمات کے ساتھ ہمارے سامنے ہے۔ اور زندگی کی حقیقتوں کو نہایت بیباکی کے ساتھ اجاگر کررہا ہے۔ اسی افسانے کے بطن سے دو شاخیں برآمد ہوئیں۔ اور اپنے اختصار کے باعث افسانچہ اور منی کہانیاں کہلائیں۔ ممکن ہے بعض افراد کے نزدیک یہ ایک ہی سکے کے دو نام ہوں۔ لیکن میں انہیں جُدا جُدا مانتا ہوں۔ کیونکہ دونوں کا فن مختلف ہے۔ دونوں کا اسلوب علیحدہ ہے۔ اوّل الذکر نظم سے زیادہ نزدیک ہے تو موخر الذکر افسانہ سے قریب۔ اگر آج افسانچہ داخلیت' خارجیت' خیال بندی' اور فلسفہ کی بھول بھُلیوں کے سارے ہی اسرار سے گزر کر اپنے قاری کے سامنے تتلیوں کی مانند رنگ برنگ زندگی سے جڑی ہوئی سچائیوں کو پیش کر رہا ہے تو منی کہانیاں اپنی سادگی و پرکاری کے باعث اپنے حدود اربعہ سے بے نیاز ادب کے ایوانوں پر مسلسل دستکیں دے رہی ہیں۔

اورنگ آباد (دکن) کی یہ سرزمین جو کبھی شاعری کا مامن سمجھی جاتی رہی ہے۔ اب نثر کے میدان میں بھی تیز گام ہے۔ چنانچہ آج یہاں تنقید' تحقیق' افسانہ' ناول' ناولٹ' افسانچہ' منی کہانی سب کچھ لکھا جارہا ہے۔ پیش رو قلمکار اپنا منصب مستحکم کر چکے ہیں۔ اور نئی نسل تیزی سے اپنی شناخت بنارہی ہے۔ نئی نسل کے تازہ قلمکاروں میں عظیم راہی کسی تعریف و تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ قدرت نے بچپن ہی سے اُن کے ہاتھوں میں قلم تھمادیا اور ادب کی لامتناہی سمتیں ان کے سامنے کھول دیں۔ چنانچہ ابتدا میں انہوں نے اپنے شہر کے ماحول کو دیکھ کر شاعری شروع کی۔ لیکن بہت جلد طبیعت کے میلان نے

انہیں سمجھا دیا کہ وہ نثر کے لئے پیدا کیئے گئے ہیں۔ ۔ پھر قلم کی جولانیاں کبھی افسانہ' کبھی منی کہانیاں اور کبھی تنقید وتبصرہ کی صورت اخبارات ورسائل میں نظر آنے لگیں۔ میں عظیم راہی کا شمار ان فنکاروں میں کرتا ہوں۔ جن کا مشاہدہ بہت وسیع ہے۔ وہ معاشرے کے نکّو سے کبھی آنکھ بند کر کے گزرنے کے قائل نہیں ہیں۔ انہیں جہاں بھی' جو بھی بات نظر آتی ہے۔ اُسے وہ کبھی افسانے کی صورت اور کبھی منی کہانی کے روپ میں کاغذ کی سطح پر محفوظ کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیاں زندگی کے ہر پہلو اور سماج کی ہر کروٹ کی نشاندہی کرتی ہیں۔ خصوصاً منی کہانیوں کے لمحوں میں سانس لینے والے انسان ہر قیمت پر انسان ہی نظر آتے ہیں۔ یہ انسان کبھی تو تنہائی کے کرب میں ڈوبے ہوئے ہیں' کہیں ذمہ داریوں کے بوجھ سے لدے ہوئے ہیں' کہیں فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہیں' کہیں تجربوں کے شکا ہورہے ہیں' اور کہیں خود تجربہ کر رہے ہیں'۔ کہیں بے حسی ہے اور کہیں اس قدر ذی حس کہ ذرا سی ناانصافی اور عدم توجہی برداشت نہیں کر سکتے۔ کہیں بے باکی ہے کہیں سفاکیت' بے مروتی' بے غیرتی اور مفاد پرستی کی انتہا ہے۔ غرض عظیم راہی کے ان کرداروں کو دیکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ٹوٹے پھوٹے مستحکم تعلیم یافتہ' ان پڑھ جاہل' سچے جھوٹے مہذب' غیر مہذب انسانوں کی ایک ایسی تمثیل ہے جسے انہوں نے ایک حساس فنکار کی طرح اجنتہ اور ایلورہ کے سنگتراشوں کے مانند اپنے قلم کی جنبش سے تخلیق کیا ہے اور زندگی کے تمام تر آباد لمحوں کو کاغذ کی سطح پر زندہ وجاوید کر دیا ہے مثال کے طور پر میں ان کی کچھ منی کہانیاں پیش کر رہا ہوں۔ باقی اعتبار اور اطمینان کی خاطر آپ کو ان کی تمام کہانیاں پڑھنا ہوگی...... ملاحظہ فرمائیے......

(۱) لاحاصل

میں تنہا تھا اور ایک میری تنہائی تھی....
ایک دن سوچا'...سب سے کٹ کر جینے کا مزہ کیا ہے؟!
یہی سوچ کر میں نے شادی کر لی۔

بچے ہوئے... بچے بڑے ہوئے اور پھر رشتہ داریاں بڑھیں قافلہ بنا اور سب اپنے
اپنے راستوں پر چل پڑے۔
لیکن میں ایکبار پھر اکیلا ہو گیا۔
اب میں سوچتا ہوں کہ سب کے ساتھ بس کر بھی مجھے کیا ملا؟!
وہی تنہائی اور اپنے ایک اکیلے پن کے سوا....!!

(۲) ورثہ

''یہ گھر جو تم اپنے لئے بنا رہے ہو اتنی دوڑ دھوپ اٹھانے کے بعد اس قدر پریشانی اور تکالیف سہنے کے بعد کیا اس گھر میں رہ بھی سکو گے؟!....''
''میں جس مکان میں اب تک رہتا آیا ہوں وہ بھی میں نے نہیں بنایا تھا۔لیکن مجھے اس بات کا اطمینان ضرور ہے کہ اس گھر میں میرے بچے بڑے سکون سے رہ سکیں گے۔جس طرح میں نے اپنے آبائی مکان میں ایک عمر گزار دی۔!!

(۳) چلن

وہ شخص جس نے میرے قتل کی سازش رچی تھی۔
معجزاتی طور پر...... میرے بچ جانے پر......
مبارکباد دینے والوں میں وہی سب سے آگے تھا.....!!

(۴) مردانگی

وہ زندگی بھر کنواری رہی۔
کیونکہ محبت کے حسین 'سبز باغ تو اُسے سب نے دکھائے تھے
لیکن شادی کرنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔
شاید اس لئے کہ
اس کی زندگی میں آنے والے وہ سارے مرد
شادی شدہ تھے......!!

(۵) انجام

وباءزدہ شہر سے آئے ایک رشتہ دار کو اس نے صرف اس لئے قتل کردیا کہ کہیں وہ خود اس وبا کا شکار نہ ہوجائے۔

اپنے ہی عزیز کا کام تمام کر کے اُسے ٹھکانہ لگا کر جب وہ اپنے گھر پہنچا تو اسے بڑی طمانیت اور سکون کا احساس ہوا۔ صرف اپنی زندگی سے محبت اور نفسانفسی نے اُسے بڑی سفاکی سے اپنے رشتہ دار کو جان سے مار دینے کی جیسے ہمت دیدی تھی۔ اور زمانے کی دین نے اسے صرف اپنے لئے جینے والا ہر طرح کے جذبات سے عاری ایک مشینی انسان بنادیا تھا۔

لیکن دوسرے دن اچانک وہ بیمار ہوگیا۔ اور بیماری کی شدت نے اُسے دواخانے پہنچادیا۔ جہاں ڈاکٹروں نے اسے اس وباء سے متاثر قرار دیدیا۔

اور تیسرے دن لوگوں نے اخبار میں پڑھا۔

''وباء کے خوف سے اپنے رشتہ دار کو قتل کردینے والا خود اس وبا کا شکار ہو کر مرگیا۔''

....

ایسی کتنی ہی خوبصورت بامعنی دلوں کو جھنجھوڑنے والی چھوٹی چھوٹی کہانیاں اس مجموعہ میں بکھری پڑی ہیں جو کبھی تو تیز نشتر لگاتی ہیں اور کبھی ان نشتر زدہ زخموں کے لئے خود مرہم بن جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کہانیوں کا خالق ایک حساس فنکار ہے۔ جو معاشرے کو دیوانگی کی حالت میں نہیں بلکہ شعور کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اگرچہ آج ادب کے ذریعے سماجی بیداری یا کسی انقلاب کی توقع کرنا محض خوش فہمی ہے۔ لیکن اس کے باوجود سنجیدہ اور باشعور قلمکار آج بھی پُر امید ہیں اور اپنی کاوشوں کے نتیجے میں آنے والی خوشگوار تبدیلیوں کی چاپ کو سن رہے ہیں۔ میرے نزدیک عظیم راہی ایسے ہی ایک فنکار ہیں جو صالح معاشرے کی تشکیل کی ذمہ داریوں کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ اُن پر عمل بھی کرتے ہیں۔

عظیم راہی کے اس منی کہانیوں کے دوسرے مجموعہ ''درد کے درمیاں'' کی اشاعت سے یقیناً میں اس گمان میں مبتلا ہوں کہ جب تک صحت منداد ب پیدا ہوتا رہے گا اُس کا قاری بھی زندہ رہے گا۔

نورالحسنین
آکاشوانی، اورنگ آباد
(مہاراشٹر)

مورخہ ۷ار نومبر ۲۰۰۱ء

اپنی بات

الحمد للہ...... ''درد کے درمیاں'' میری تیسری کتاب ہے۔ جو منی افسانوں کا میرا دوسرا مجموعہ ہے۔ پہلا مجموعہ ''پھول کے آنسو'' کے نام سے ۸۷ء میں چھپا تھا۔ اُس وقت یہ صنف نئی نئی وجود میں آئی تھی اور میرے لکھنے کا ابتدائی دور تھا۔ لیکن اللہ کے فضل سے خوب پذیرائی ملی۔ یہ منی افسانے کی مقبولیت اور عروج کا زمانہ تھا۔ ہر طرف اسی کا غلغلہ تھا۔ اخبارات اور رسائل' میں منی افسانے کثرت سے چھپ رہے تھے۔ نئے لکھنے والے بڑی شدت سے اس صنف میں طبع آزمائی کر رہے تھے اور اس نئی صنف کے مجموعے بھی دھڑا دھڑ منظر عام پر آرہے تھے......

نذیر فتح پوری کے لفظوں میں ''منی افسانوں کی کتاب ''پھول کے آنسو'' جب اشاعت پذیر ہوئی تھی تو ادبی رسائل میں اس کتاب پر بے پناہ حوصلہ افزا تبصرے شائع ہوئے تھے۔ اس سے پہلے منی افسانے کی کسی کتاب کا ادبی حلقوں میں ایسا خیر مقدم نہیں ہوا تھا۔'' شاید اسی لئے اس دوران' میں نے بھی افسانوں کے ساتھ ساتھ منی افسانے بڑی تعداد میں لکھے جنھیں رسائل نے بڑے اہتمام سے شایع بھی کیا۔ لیکن بنیادی طور پر میرا میدان افسانہ تھا لہٰذا ۱۹۹۶ء میں میرے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''اگلی صدی کے موڑ پر'' منظر عام پر آیا۔ اور اسے بھی بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مہاراشٹر اردو اکیڈمی نے انعامِ اوّل سے نوازا۔ اور غالب کلچر اکیڈمی (بنگلور) نے اعزازی ادبی ایوارڈ ''کرشن چندر ایوارڈ'' تفویض کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اب تک اس کتاب پر ملک بھر کے کئی مؤقر ادبی رسائل و جرائد میں تبصرے چھپ کر میرے حوصلوں کو بڑھاوا دے چکے ہیں۔ جس کے نتیجے

میں ، میں نے اپنے افسانوں کا دوسرا مجموعہ بھی ترتیب دیا ہوں جو میری چوتھی کتاب ہوگی
اور اس مجموعے کے بعد انشاء اللہ عنقریب منظر عام پر آئے گی ۔ جہاں تک منٹو کی ایجاد کردہ
صنف ، منی افسانہ لکھنے کا سوال ہے تو مجھے کبھی یہ طے نہیں کرنا پڑا اور نہ ہی میرے لئے یہ
مسئلہ رہا کہ کہانی کے خیال کو کس وسیلۂ اظہار کے ذریعے تخلیق کیا جائے ۔ منی افسانہ کی شکل
میں یا افسانہ کی صورت میں کہ کہانی کا خیال از خود اپنا فارم اور ہیئت لے کر آتا ہے بقول
جوگندر پال ؎

"یہ کرشمہ ہوتا ہے کہ ایک چھ فٹ لمبے نوجوان کا سالم بت اسی طرح متاثر کرتا
ہے جیسے اس بت کی انچ بھر عکسی تصویر ، مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس تناسب پر تخلیق کار کو
پوری قدرت حاصل ہو ۔"

دراصل منی افسانہ کم لفظوں کی کثرت میں ایک پوری کہانی کی وحدت کا نام
ہے ۔ جس میں کم سے کم لفظوں میں اپنے تجربے اور مشاہدے کے بھرپور تاثر کو کہانی کی شکل
میں پیش کرنا ہوتا ہے ۔ جو بقول سلام بن رزاق ۔ "فکشن میں پہلے مختصر افسانہ اور اب منی
افسانہ بھی آج کے عہد کی تیز رفتار اور اختصار پسندی کی دین ہے ۔ چونکہ آج زندگی کے
ہر شعبے میں رفتار کے ساتھ اختصار پسندی کا رجحان عام ہوگیا ہے ۔ چنانچہ اسی رجحان کے
تحت میں بھی اس صنف میں طبع آزمائی کرتا آیا ہوں . اور جہاں تک میرے لکھنے کا تعلق ہے
میں نے ہمیشہ غم ذات کو غم کائنات کے حوالے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اپنے
اطراف کی زندگی میں بے حسی ، نفسا نفسی ، اقدار کی ٹوٹ پھوٹ ' رشتوں کی شکست وریخت
' خود غرضی ' منافقت اور کرپشن کے پھیلے ماحول نے مجھے بے اختیار لکھنے پر مجبور کیا ہے
اور یہی کرب میرے لکھنے کا ہمیشہ سے محرک رہا ہے ۔ چونکہ صالح اقدار کی ترجمانی اور اس کی
ترغیب میرے نزدیک ادب کا سب سے بڑا وصف ' منصب اور نصب العین ہے ۔ اس لئے
ہر ادیب کا فرض بنتا ہے کہ وہ حتی الامکان اپنے فرائض منصبی سے عہدہ برآں ہوسکیں ۔ اس
سلسلے میں مزید کچھ کہنا مناسب نہیں لگتا ہے کہ میں اپنے دوسرے مجموعہ "اگلی صدی کے موڑ

پر'' میں اس موضوع پر روشنی ڈال چکا ہوں۔ ساتھ ہی اس مجموعے میں شامل کہانیوں کے بارے میں نورالحسنین نے بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور قاری کی موجودگی کا یقین دلا کر نئے لکھنے والوں کے لئے امکانات کے نئے افق کی نشاندہی کی ہے۔ جو امید افزاء بھی ہے اور حوصلہ کن بھی۔

فی الحال مجھے اتنا ہی کہنا ہے کہ ''درد کے درمیاں'' میرے احساسات وجذبات کا آئینہ ہے۔ میرے مشاہدوں کا عکاس اور زندگی کے ان گنت تجربوں کا ترجمان بھی۔ جس میں میری زندگی کے عکس کے ساتھ آپ کو پورے عالم کے کرب کی آواز' گونج کی شکل میں یقیناً سنائی دے گی۔ ایک تخلیق کار کی حیثیت سے میں نے شعبۂ زندگی کے ہر گوشے کو ان مختصر کہانیوں میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ ان کہانیوں کے آئینے میں ایک چہرہ بھی اگر آپ کو اپنا نظر آجائے تو میں اسے اپنی بڑی کامیابی سمجھوں گا۔ اب یہ فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے' اس بات کے سب سے بہتر گواہ اور ناقد آپ ہی ہو سکتے ہیں کہ بفضلِ ربی آپ کی آراء اور تاثرات کی روشنی میں میرے فن کا ارتقائی سفر جاری ہے۔ اس بار بھی آپ کے گراں قدر رائے اور مفید مشوروں کا میں منتظر رہوں گا۔

آخر میں ان تمام احباب اور بہی خواہوں کا شکریہ ادا کرنا' میں اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کے بے پایاں خلوص ومحبت' تعاون اور بے پناہ حوصلوں سے یہ کتاب آپ کے ہاتھوں تک پہنچ رہی ہے۔ سب سے پہلے اردو دنیا کے ممتاز افسانہ نگار اور بزرگ ادیب محترم جوگندر پال کا تہہ دل سے ممنون ہوں کہ اپنے اورنگ آباد کے مختصر سے قیام (ستمبر ۲۰۰۱ء) کے دوران ،انہوں نے اپنا قیمتی وقت دے کر مجھے زریں مشوروں سے نوازا۔ اپنی بے پناہ محبتیں عنایت کی اور بعد میں نے چند منی افسانے' جو انھیں بطور خاص ارسال کئے تھے ان کو پڑھ کر حسب وعدہ اپنے گرانقدر تاثرات سے نواز کر میری ہمت افزائی کی۔ برادرم نورالحسنین کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انہوں نے نہ صرف کتاب کا پیش لفظ لکھا بلکہ اس مجموعہ کی تہذیب وتدوین کا اہم کام بھی انجام دیا۔ محترم

عارف خورشید نے اپنی انمول رائے سے نواز کر مجھے شکریہ ادا کرنے کا موقع فراہم کیا۔
اور میرے بے حد قریبی دوست، کرم فرما متین قادری اور احمد خان نے منی افسانوں کے
انتخاب وترتیب دینے میں میری معاونت فرمائی، اس کے لئے ان کا بھی بے حد ممنون ہوں۔
کتاب کی اشاعت کے مرحلوں میں عزیز دوست رضوان اللہ جو "الکار ایڈورٹائزرس" کے
مالک ہیں ان کی رہنمائی میں کمپوزنگ آپریٹر مولانا عبدالغفار بیتیؔ، محمد عبدالعزیز، محمد
ابراہیم اور سویرا آفسیٹ پریس کے مالک سلیم یہ تمام صاحبین بھی میرے خصوصی شکریے کے
حقدار ہیں۔ ان کے علاوہ وجد میموریل ٹرسٹ اورنگ آباد کے ذمہ داران کا بھی ممنوں ہوں
کہ انہوں نے اس کتاب کے اشاعتی مراحل کی تکمیل میں اپنے تعاون سے نوازا اور اس
طرح ان تمام کی محبتوں اور محنتوں سے یہ کتاب منظر عام پر آئی ہے۔ ساتھ ہی گھر میں اپنی
شریک حیات شبانہ عظیم کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں کہ اگر اس ہستی کا تعاون مجھے حاصل نہ
ہوتا تو شاید میں اپنی دیگر ذمہ داریوں میں الجھ کر ادب سے دور ہو جاتا۔

ان تمام ممتاز اہل قلم حضرات کا بھی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے "پھول کے
آنسو" پر اپنی گرانقدر آراء اور تاثرات سے نواز کر میری ہمت افزائی کی تھی جو اب اس کتاب
کی زینت بنے ہیں۔ ....

دراصل ان تمام کے ممنونیت کے اظہار کے لئے الفاظ کی کمی محسوس کرتے ہوئے
اس رسمی شکریہ پر اکتفا کر رہا ہوں۔

مورخہ: ۱۵ ردسمبر ۲۰۰۱ء عظیم راہی (اورنگ آباد)

المیہ

تمہیں مَرے ہوئے ابا ایک عرصہ گزر چکا ہے۔ لیکن آج بھی مجھے ہر پل ایسا لگتا ہے جیسے تم میرے ساتھ ہو، نہیں، جیسے تم میرے اندر زندہ ہو۔
شاید اسی لئے تمہاری وہ سب روایتیں، وہ سارے اصول اور وہ تمام خواب مجھے آج بھی ویسے ہی عزیز ہیں۔
لیکن اب برسوں بعد، میری حیات ہی میں، میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں کہ......
میرے اپنے بیٹے نے میرے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر، میری ان سب روایتوں سے منہ موڑ لیا ہے اور میرے سارے خوابوں پر پانی پھیر کر، جانے وہ کس راہ پر چل پڑا ہے کہ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں جیتے جی مر گیا ہوں۔!!

دردِ مشترک

وہ دونوں دوست ایک عرصے کے بعد مل رہے تھے۔ مسرّتوں کی سرشاری میں' مدتوں سے نہ ملنے کی شکایتیں تھیں۔ اور پھر سکھ دکھ کے ملے جُلے اظہار کے ساتھ پرانی باتیں نکلیں۔ ماضی کے قصّے تازہ ہوئے اور کچھ نئے تذکروں کیساتھ خوش گپیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

چائے کے دوران اَچانک انہیں اپنے بچوں کا خیال آیا اور اُن دونوں کے چہرے مایوسی اور فکر مندی کے غبار میں جیسے اٹ گئے۔

پہلے نے بے حد فکر مند لہجے میں کہا۔

''ٹی وی دیکھ کر ہمارے بچے تو وقت سے پہلے ہی جوان ہوتے جا رہے ہیں۔''

''اور ان کے پیچھے پڑ کر' ان کے لئے پریشان رہ کر' ہم وقت سے پہلے بوڑھے ......!'' دوسرے نے فوراً کہا۔

اور پھر وہ دونوں اپنے بالوں میں بڑھتی سفیدی اور چہرے پر پڑی جھرّیوں کے درمیان ایک دوسرے کو تلاش کرنے لگے۔

وقت

سیٹ پر پھیلی تیز تیز آرک روشنیوں کے بیچ مشہور ہیرو اپنا کردار نبھا رہا تھا۔ ان روشنیوں کے پیچھے بہت سارے ایکسٹرا کھڑے تھے۔ ان ہی میں سے ایک نے اپنے نئے ساتھی سے بڑے افسردہ لہجے میں کہا۔

''یہ جو سیٹ پر ہیرو دیکھ رہے ہو نا، وہ کبھی ایکسٹرا ہوا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت میں ہیرو تھا۔''

پرانے ہیرو اور آج کے ایکسٹرا آرٹسٹ کا نیا ساتھی 'ایک نئی امید کے ساتھ سیٹ پر اپنی باری کا انتظار کرنے لگا۔!!

چلن

وہ شخص جس نے میرے قتل کی سازش رچی تھی
معجزاتی طور پر......میرے بچ جانے پر......
مبارکباد دینے والوں میں،
وہی سب سے آگے تھا۔....!!

نیا زمانہ

تیز بارش کے موسم میں، شہر کی ایک نئی تعمیر شدہ، جدید طرز پر بنی بہترین بلڈنگ اچانک گر گئی تو میرے دوست نے پوچھا۔

''ارے بھئی، یہ کیسے ہو گیا۔ جبکہ پرانے زمانے کے یہ تاریخی دروازے جوں کے توں کھڑے ہیں۔ آخر صدیوں پرانی یہ عمارتیں کیوں نہیں گرتیں؟!''

''اس لئے کہ اس زمانے میں رشوت کا ایسا بازار گرم نہیں تھا۔''

بے اختیار میری زبان سے نکلا.... اور وہ میرا منہ تکتا رہ گیا...!!

لاحاصل

میں تنہا تھا اور ایک میری تنہائی تھی....

ایک دن سوچا'...سب سے کٹ کر جینے کا مزہ کیا ہے؟!

یہی سوچ کر میں نے شادی کر لی۔

بچے ہوئے... بچے بڑے ہوئے اور پھر رشتہ داریاں بڑھیں قافلہ بنا اور سب اپنے اپنے راستوں پر چل پڑے۔

لیکن میں ایکبار پھر اکیلا ہو گیا۔

اب میں سوچتا ہوں کہ سب کے ساتھ بس کر بھی مجھے کیا ملا؟!

وہی تنہائی اور اپنے ایک اکیلے پن کے سوا....!!

حل

اُس نے اپنے دوست کو، جو زندگی سے بالکل تنگ آچکا تھا۔
سمجھاتے ہوئے کہا۔
''غم، دکھ اور فکریں انسان کی عمر کم کر دیتے ہیں۔''
مگر یہ سن کر دوست خوشی سے بولا۔
''چلو' اچھا ہی ہے کہ اس طرح انسان خودکشی کے کفر سے بچ جاتا ہے۔''.....!!

قسمت

وہ دونوں دوست تھے۔

ایک جینے کی خواہش رکھتا تھا۔لیکن دوسرا اپنی زندگی سے تنگ آکر مرجانا چاہتا تھا۔

لیکن ایک دن اچانک زندگی کی خواہش رکھنے والا مرگیا...

اور

موت کی تمنا کرنے والا زندہ رہ گیا۔

شاید موت کے انتظار میں....!!

تنہائی کا دکھ

میں اپنے سارے دکھ تمہیں سنانا چاہتا تھا۔
کہ ایک عرصے کے بعد جو تم ملے تھے۔
لیکن اس بار بھی ہمیشہ کیطرح تم جلدی میں تھے۔
میں کچھ بولتا بھی تو کیسے؟! کہ ایک مدت سے باوجود اپنی چاہت کے تم سے مل نہیں پایا تھا۔
میں پھر اکیلا رہ گیا۔ اپنے بہت سارے دکھوں سمیت....
بالکل تنہا رہ گیا.....
اچانک دل نے سوال کیا.. ''اب تم کب آؤ گے۔''
''شاید کبھی نہیں...!''
''نہیں، ضرور آؤ گے....
لیکن شاید..........
کیا میرے دنیا میں نہ ہونے پر...؟!''

ترقّی

اس کی شادی کا ویڈیو کیسٹ دیکھ کر، اس کا سب سے چھوٹا بیٹا اکثر خوش ہوتا ہے اور یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ بھی اپنے باپ کی شادی میں شریک تھا۔
ایک دن ہمت کر کے اس نے بھی خود اپنے معصوم بچے کی طرح، اپنے والد سے پوچھ لیا کہ "میں آپ کی شادی کا ویڈیو کیسیٹ آج تک نہیں دیکھ سکا؟!"
اپنے شادی شدہ بڑے بیٹے کی بات سن کر، بوڑھے باپ کا جی چاہا کہ اسے ایک زوردار تھپڑ رسید کر دے۔
لیکن پھر..........
وہ زمانہ کی ترقی کا خیال کر کے بس چپ ہو گیا۔!!

اپنا اپنا دکھ

ماموں جان لاہور سے آنے کے بعد... اپنے چند روز کے قیام کے دوران ایک دن کہنے لگے۔

"آئے دن اخبارات میں تمہاری دہلی کے اجڑے یہاں کتنے مرنے کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ تو یہ سن سن کر طبیعت بڑی بے چین ہو جاتی ہے۔ شدید غم کا احساس ہوتا ہے بیٹے۔ بہتر تو یہی تھا کہ تم لوگ بھی اس وقت ہمارے ساتھ منتقل ہو گئے ہوتے۔"

"یہاں فرقہ وارانہ فسادات جھیلنے کی ہمیں عادت سی ہو گئی ہے۔ اور اب یہ غم بھی اپنا سا لگتا ہے ماموں جان۔ کہ ان منظروں میں رہنے سے جینے کی ایک نئی قوت آ گئی ہے۔ شاید اسی لئے اب ان اجڑے، ٹوٹے، بکھرے اور جلے کٹے منظروں میں رہنے سے خوف نہیں آتا۔ مگر جب وہاں اپنے بھائی کے ہاتھوں بھائی کے مرنے کی خبریں سنتا ہوں تو یہ دکھ برداشت نہیں ہوتا'
میری آنکھیں اُن منظروں کو دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتیں ماموں جان۔"
یہ سن کر وہ بڑی بے بسی سے میرا چہرہ تکنے لگے۔

اثر

میں پتھروں کے شہر میں برسوں سے آئینے بیچتا آیا تھا۔ مگر آئینے تو صرف سچ بولنا ہی جانتے ہیں۔ میں لاکھ کوشش کرتا۔ مگر میرا وہ جھوٹ کُھل جاتا جو میں آئینے فروخت کرنے کیلئے بولا کرتا تھا۔ پھر مجھ پر بڑی لعنت وملامت کی جاتی۔ میرا بھرم ٹوٹ جاتا۔ اور آئینے توڑ دیئے جاتے۔ لیکن ضرب ہر بار مجھ پر ہی پڑتی اور میں لہولہان ہو جاتا۔

آخر ایک دن...

میں نے وہ سارے آئینے خود اپنے ہاتھوں سے توڑ ڈالے۔

وہ تمام شیشے ایک ایک کرکے پھوڑ دیئے۔

اور میں خود پتھر کا بن گیا۔!!

مثال

مجنوں نے لیلیٰ کی محبت میں گریباں چاک کئے برسوں ویرانوں' بیابانوں کی خاک چھانی' فرہاد نے شیریں کو پانے کے لئے جوئے شیر نکالنے کی شرط کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا۔ یہ اور بات ہوئی کہ اس شرط کی کامیابی اُسے موت کے حوالے کر گئی۔

شہنشاہوں نے اپنی محبت کو زندہ و جاوید بنانے کے لئے کئی شہر بسائے۔ محل تعمیر کئے اور ان کی یاد میں مقبرے بھی بنائے۔ انصاف و عدل کی میزان سے اپنی اپنی محبتوں کو بالاتر رکھا۔ اور محبت کی جنگ میں فتح و کامرانی کے لئے سب کچھ جائز اور روا سمجھا۔ لیکن وہیں قربانیوں کی اعلیٰ نظیریں بھی قائم کیں......لیکن......میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تمہارے دوست نے اپنی محبت کو پانے کے لئے کیا کیا؟!

''ارے بھئی' میرا دوست اپنی محبت کو شادی میں بدل کر اپنے زمانے کی ایک نئی مثال قائم کر رہا ہے۔''

''وہ کیسے؟!''

''جہیز میں صرف ایک ماروتی کار مانگ کر.....!''

آپ ہمارے کون؟!

اُسے ایک ہی لڑکا تھا۔

جو بڑے ارمان سے اور لاکھوں جتن کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے بڑے ناز و پیار میں اس کی پرورش ہوئی تھی۔ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کے لئے ماں باپ نے دن رات محنت کی آخر ان کی محنت رنگ لائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے انہوں نے اُسے پھر غیر ممالک بھیج دیا۔ اور اس طرح اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہوئے وہ ایک اچھے عہدہ پر فائز ہوگیا۔ ماں باپ نے ایک بڑے خاندان میں نہایت دھوم دھام سے اس کی شادی بھی کردی اور اپنے فرائض سے سبکدوش ہوگئے۔

لیکن شادی کے چند دنوں بعد ہی اس کا ہونہار سپوت اپنے بڑے سے عالیشان بنگلے میں منتقل ہوگیا اور ازدواجی زندگی کی خوشیوں میں اپنے بوڑھے ماں باپ کو بھی بھول گیا۔

ایک دن صبح سویرے باپ' جذبات سے مغلوب ہوکر' اپنے اکلوتے بیٹے کی محبت میں اُس سے ملنے اس کے گھر چلا گیا۔

اس کا پوتا دروازہ کھولنے آیا اور حیران نظروں سے پہلے اُسے گھورتے ہوئے دیکھا اور پھر بڑی معصومیت سے سوال کیا۔

''آپ ہمارے کون؟!''

یہ سنتے ہی دور خلاؤں میں دیکھتے ہوئے اس نے یوں محسوس کیا جیسے دن میں معاً آسمان پر تارے نکل آئے ہوں۔

ان کہی

میں جتنی دیر تک بول سکتا تھا۔تم سے بولتا رہا۔
یہاں تک کہ مجھے لگا جیسے سارے الفاظ ختم ہو گئے ہیں مگر میری بات ادھوری رہ گئی ہو۔اور میں وہ کہہ ہی نہیں سکا جو میں ایک عرصہ سے کہنا چاہتا تھا۔
اس کے باوجود۔
میں نے کئی بار پھر تم سے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ہر بار ناکام رہا۔
تھک ہار کر میں آخر خاموش ہو گیا۔
مگر تم وہ سب سمجھ گئے جو میں کہہ نہیں سکا تھا۔
اور وہ بھی، جو میں کہنا نہیں چاہتا تھا۔
لیکن میں خاموش رہا۔بس خاموش ہی رہا۔
اور اس کے بعد تم بڑی شدت سے بولتے رہے۔
لیکن میں کچھ نہ سمجھ سکا۔!!

دوسری حقیقت

ڈاکوؤں کی زندگی پر مبنی ایک فلم میں ریپ سین میں حقیقی رنگ بھرنے کی کوشش میں فلم کے ہدایت کار نے کئی دنوں کی کوششوں اور ریہرسل کے بعد اور مختلف ری ٹیک کے ساتھ تقریباً سات دن میں اس ایک منظر کو مکمل کیا۔

فلم تو نہیں چلی لیکن وہ سین خوب چلا۔ بالکل حقیقی انداز میں شوٹ کئے گئے اس ریپ سین کے منظر کو شائقین نے دیکھا تو بس دیکھتے ہی رہ گئے۔ اور ہدایت کار کی بیباکی اور فنکاری کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

مگر اس کے بعد...

ملک کے چھوٹے بڑے مختلف علاقوں میں بالکل اسی طرح' اسی انداز میں ریپ کے کئی واقعات رونما ہوئے۔

جو ایک دوسری بڑی حقیقت تھی......!!

بڑا شیطان

شیطان ایک جگہ، اپنے دوستوں میں بیٹھا کہہ رہا تھا....

''کیا زمانہ آگیا ہے یارو، یہ انسان بھی خوب ہے۔ رحیم ہو کر کہیں رام کا کردار نبھا رہا ہے اور رام کا رول کشن سنگھ بخوبی ادا کر رہا ہے۔ اور اسی طرح کبھی جوزف کا کردار کوئی اور...!''

''لیکن بھئی....!'' ان میں سے ایک نے بات کاٹ کر پوچھا۔

''لیکن کیا بھئی.....''

''یہی کہ ہمارا کردار تو اب تک نہیں بدلا....''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟!'' پہلے نے سوال کیا۔

یہی کہ انسان کو بہکانے کا ہمارا کام بدستور جاری ہے۔ ہم نے اپنا کام اور نام دونوں نہیں بدلا۔''

یہ سن کر سب نے ایک ساتھ، ایک آواز ہو کر کہا۔

''ارے بھئی ہم سے بڑا شیطان تو یہ آج کا انسان ہو گیا ہے۔''

ورثہ

”یہ گھر جو تم اپنے لئے بنا رہے ہو اتنی دوڑ دھوپ اٹھانے کے بعد اُس قدر پریشانی اور تکالیف سہنے کے بعد کیا اس گھر میں رہ بھی سکو گے؟!....“

”میں جس مکان میں اب تک رہتا آیا ہوں وہ بھی میں نے نہیں بنایا تھا۔ لیکن مجھے اس بات کا اطمینان ضرور ہے کہ اس گھر میں میرے بچے بڑے سکون سے رہ سکیں گے۔ جس طرح میں نے اپنے آبائی مکان میں ایک عمر گزار دی۔!!

درد کے درمیاں

آج کی ڈاک سے اُسے دو خط ملے ہیں۔
ایک خط برسوں بعد' کراچی سے اس کے چچا نے لکھا ہے
اور دوسرا خط اس کے اپنے شہر سے آیا ہے۔
پہلے خط میں چچا جان نے دل گرفتہ ہو کر لکھا ہے کہ....

''ہمارے ساتھ بیٹا' اب تک تو امتیازی سلوک ہوتا ہی آیا ہے.... ہمیں سب مہاجر سمجھتے ہیں اور ہم یہ غم ایک عرصے سے سہتے آئے ہیں۔ لیکن اب ہمیں غدار بھی کہا جا رہا ہے۔ تو یہ دُکھ بالکل نا قابلِ برداشت ہو گیا ہے۔ یہ درد اب سہا نہیں جاتا۔ میں بہت ٹوٹ گیا ہوں۔ بیٹے!''

اور دوسرے خط میں۔

''اُسے گھس پیٹھیا قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے....اور شہریت کی شناخت کے مطالبہ کے ساتھ ہی اُس سے اِس بات کا ثبوت بھی مانگا گیا ہے...''

اب وہ حیران' پریشان بنا سوچ رہا ہے کہ.....

''اپنے پرکھوں کی ایک زمین' آج دو ٹکڑوں میں اس طرح بٹ کر رہ گئی ہے کہ شاید اس درد کے درمیان' یہ انسان بھی' ان میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا ہے۔''!!

حوصلہ

''تم اپنی ہر فلم میں ایسے خطرناک سین کر کے اتنا خطرہ کیوں مول لیتے ہو؟!
اور یہ اسٹنٹ اپنی جان پر کھیل کر تم خود کرتے ہو جبکہ سارا کریڈیٹ تو ہیرو لے
جاتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں آخر ایسے رسک بھرے' خطرناک سین کر کے تم اپنی
جان جوکھم میں کیوں ڈالتے ہو.....؟!''

''اس لئے کہ میں اپنا اور اپنے بیوی بچوں کا پیٹ پال سکوں۔ اور اس مشکل کام
کے ذریعے ان کی روزی روٹی کا بندوبست آسانی سے کر سکوں۔''

وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یوں بولا کہ میں لاجواب ہو گیا...!!

لاجواب

ٹی وی پر سیریل چل رہی تھی۔
شادی کی تقریبات کا منظر تھا۔ شادی کی مختلف رُسومات کی منظرکشی، پوری جزئیات کے ساتھ دکھائی جارہی تھیں۔ منظرکشی چل رہی تھی۔
اس سیریل کے آخر میں جب شادی کی تقریباً تمام رسومات ختم ہوگئیں.....
اور دولہا جیسے ہی دلہن کے کمرے میں پہنچا۔
بچے نے بے ساختہ اچھل کر اپنی ماں سے کہا۔
"اب ان کی سہاگ رات ہوگی نا ممی ...؟!"
معصوم بچے کا سوال سن کر ماں پر جیسے سکتہ طاری ہوگیا۔

تاریخی فیصلہ

چھٹیوں میں اس نے دوستوں کے ساتھ مل کر تفریح کا پروگرام بنایا۔
اس کے تفریحی پروگرام کی تفصیل سن کر دوستوں نے سوال کیا۔
''آخر تم تاج محل کی خوبصورتی، فتح پور سیکری کی عظمت اور قطب مینار کی اونچائی کیوں ناپنا چاہتے ہو؟! تمہارے اندر بنگلور کا گارڈن' حیدرآباد کا میوزیم اور میسور کا خوبصورت پارک دیکھنے کی خواہش کیوں نہیں ہوتی۔''
اس نے نہایت متانت سے جواب دیا۔
''اس سے پہلے کہ یہ تمام عجائبات زمین سے اٹھ کر تاریخ کی کتابوں کا حصہ بن کر رہ جائیں۔ میں انہیں ایکبار ضرور دیکھنا چاہتا ہوں کیوں کہ آج کل کوئی بھروسہ نہیں کہ کب کوئی تاریخی یادگار شہید کردی جائے یا وہ کب ہماری غفلت اور بے حسی کے سبب' خود ہی ملبے کا ڈھیر بن جائیں۔ اس لئے کیوں نہ ہم پہلے یہاں چلیں۔''
اس کی یہ بات سن کر سب نے ایک ساتھ کہا۔
''ضرور چلیں'۔ یہ تو بھی ایک تاریخی فیصلہ ہے۔''

مقابلہ

اپنے وقت کا ایک مشہور و مقبول اداکار جو اپنی ذات میں انجمن کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس کے قدردان بڑی بھاری تعداد میں پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور جس کے شیدائی کروڑوں کی تعداد میں اور چاہنے والے تو بے شمار تھے۔ اب تک اس کی اداکاری کا کوئی نعم البدل ثابت نہیں ہوا تھا۔ البتہ اس کی ادارکاری کی چھاپ تقریباً ہر نئے آنے والے ہیرو میں تقلیدی انداز میں ضرور جھلکتی تھی۔ اور اکثر تو اس کی اداکاری کی نقل کو بھی اپنے لئے بڑے اعزاز کی بات سمجھتے تھے۔ اس نامی گرامی اداکار سے آج کے ایک ابھرتے ہوئے، نئے زمانے کے فلم اسٹار نے پوچھا۔

''آج ہم اسٹاروں کو ایک فلم میں کام کرنے کے چالیس، پچاس لاکھ ملتے ہیں یہ جان کر آپکو کیسا محسوس ہوتا ہے۔؟!''

شرافت کے اس پیکر نما شخصیت اور اعلیٰ ظرافت کے مجسم اداکار نے معنی خیز انداز میں ہلکی مسکراہٹ کے درمیان دھیمے سروں میں کہا۔

''ہاں، عجیب تو ضرور لگتا ہے کہ ہم لوگوں کو ایک فلم میں کام کرنے کا معاوضہ ۴۰ یا ۵۰ ہزار روپے ہی ملتا تھا۔ مگر ہم لوگ ۴۰، ۵۰ سال تک اس دنیا میں زندہ رہتے تھے اور رہ رہے ہیں بلکہ میں تو آج بھی پہلے سے زیادہ مقبول اور اہم ہوں۔ جبکہ آج کل کے یہ اسٹار بس دو تین سال تک چلتے ہیں۔ اور پھر ٹائیں ٹائیں فش ہو جاتے ہیں۔''

اپنے مخصوص انداز میں، نامور اداکار کا پُر اعتماد لہجے میں منہ توڑ جواب سن کر اس اسٹار کا منہ جیسے لٹک گیا۔!!

تبدیلی

پہلے وہ ایک بہت بڑا گھر تھا.......

گھر میں خوشنما صحن، دالان، بڑا سا آنگن اور بڑے ہوادار کشادہ کئی کمرے تھے اور گھر میں داخل ہونے کے لئے ایک بہت بڑا صدر دروازہ تھا۔ بہت سارے لوگ اس بڑے سے گھر میں مل جل کر ساتھ رہتے تھے۔

آنگن میں نیم کا درخت اور مہندی کا چھوٹا سا پیڑ اس کی شان دوبالا کرتے اور اس گھر میں بڑے بزرگوں کی بہت عزت ہوتی تھی اور ان میں سے ایک کی خوشی یہی ہوتی کہ زندگی میں وہ ہمیشہ ساتھ رہے اور جب مرے تو یہ خواہش کرتے کہ ان کو اپنے بزرگوں کے پہلو میں ہی رکھا جائے اور چھوٹے بھائی کی بھی خواہش یہی ہوتی تھی کہ مرنے کے بعد، اسے اپنے بڑے بھائی کے پاس دفن کیا جائے۔

لیکن اب میں یہاں کیا دیکھ رہا ہوں۔

اس بڑے سے ایک گھر میں کئی گھر بن چکے ہیں۔ صدر دروازہ اپنی اہمیت کھو چکا ہے۔ اور کئی داخلی دروازے، اپنے گھروں کے الگ ہونے اور ان کے علیحدہ رہنے کی چغلی کھا رہے ہیں۔ بھائی، بھائی کی صورت سے بیزار ہے۔ کوئی کسی کے یہاں نہیں جاتا۔ برسوں پڑوس میں رہنے کے باوجود، کسی کی، کسی سے ملاقات نہیں ہوتی اور نہ کوئی کسی سے ملنا چاہتا ہے۔

اور مجبوراً کبھی کہیں ملاقات ہو جائیں تو بس رسماً بات ہو جاتی ہے۔!!

زوال

اس کی پہلی فلم بڑی صاف ستھری اور سماجی اصلاح کے موضوع پر مبنی تھی۔
چونکہ وہ اپنے وقت کے مشہور ہیرو کی پروڈیوس کی ہوئی فلم تھی اس لئے فلم تو چل پڑی۔ البتہ وہ کامیاب نہ ہوسکی۔
وہ گھر پر بیٹھے بیٹھے بور ہونے لگی۔ اسے اچھی فلمیں بالکل نہیں مل رہی تھی دن رات کوشش کے باوجود کوئی نتیجہ نہیں نکلتا اور اگر اتفاق سے کبھی کسی فلم کی آفر ملتی بھی تو اس میں اخلاقی گراوٹ اس قدر ہوتی کہ وہ اس کے تصور سے ہی کانپ جاتی۔ لیکن گھر پر بیٹھے رہنے سے بھی وہ تنگ آگئی تھی۔ آخر مجبور ہوکر' بادل ناخواستہ وہ دل کھول کر جسم کی نمائش کرنے لگی اور پھر بڑی تیزی سے گلیمر کی دنیا میں جیتی جاگتی نمائشی گڑیا بن گئی۔
لیکن ایک وقت ایسا آیا جب اس کے اپنے پسندیدہ ہدایت کار نے اس سے کہا۔
''اس رول میں اب تم فٹ نہیں بیٹھوگی۔ اس کہانی کے لئے ہمیں بالکل نئی لڑکی چاہئے۔''
اور وہ اپنی ڈھلتی جوانی کے گراف کا جائزہ لینے پر مجبور ہوگئی۔ جس کی اٹھان کا سلسلہ بھی ایک مجبوری سے شروع ہوا تھا......!!

پیش بندی

''تم عرصے کے بعد ملے ہو' کیسے ہو بھئی ؟!...''

''بس اچھا ہوں' زندہ ہوں۔''

''مگر کبھی کہیں دکھائی نہیں دیتے ہو.....!''

''زندگی کا عذاب اتنی فرصت کہاں دیتا ہے.....''

''زندہ ہیں' اس لئے ہم ایک دوسرے کو کبھی کبھار نظر آجاتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں۔ شاید یہی غنیمت ہے مگر......!''

''مگر کیا بھئی.....!''

''مگر مجھے یقین ہے کہ میرے مرنے پر تم ضرور آؤ گے لیکن میں تمہیں کہاں دیکھ سکوں گا۔''

''ہاں' اس لئے کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ ہم زندگی میں ہمیشہ ملتے رہیں کہ بعد میں کوئی دکھ نہ ہو.....!!؟''

رشتوں کا سراب

''بڑی خوبصورت راکھی لائی ہو اس بار...'' راکھی دیکھ کر اس کے بھائی نے بے ساختہ کہا۔

بہن خوش ہو کر مسکراتے ہوئے بولی۔

''بھیا تمہیں پسند آئی...!''

اور پھر وہ خود ہی اپنی لائی ہوئی خوبصورت جدید ڈیزائن کی بنی راکھی کو دیکھ کر سوچنے لگی۔

''کاش' ان جاندار رشتوں میں بھی ایسی کشش ہوتی۔''

یکا یک اسی سوچ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں پچھلے سال' جہیز کے کارن جلی اس کی دیدی کا بھولا بھالا چہرہ گھوم گیا۔

تجربہ

''اب تم سے مل کر نہ تو خوشی ہوتی ہے اور نہ بچھڑنے پر کوئی غم......!
کیوں کہ تمہیں اب میں نے خوب پرکھ لیا ہے.....
نہیں شاید'
....
تمھارے بغیر میں نے جینا سیکھ ہی لیا ہے۔

بے حسی

آج صبح ہمارے اسکول کے سابق وظیفہ یاب صدر مدرس کے انتقال کی خبر اسکول پہنچی تو مختصر سی تعزیتی نشست کے بعد ان کی یاد میں دو منٹ کی خاموشی منائی گئی اور اسکول کو چھٹی دیدی گئی۔ ساتھ ہی تمام سے درخواست کی گئی کہ مرحوم کے آخری سفر میں سب شریک رہیں۔

لیکن وہ بڑا خوش ہوا کہ چلو کسی بہانے سے سہی' آج چھٹی تو ملی۔ اسکول اور دیگر گھریلو مصروفیت کے سبب وہ ایک مقبول فلم کو دیکھنے کی ہفتہ بھر سے کوشش کر رہا تھا۔ لیکن وہ فلم مارننگ شو میں ہونے کی وجہ سے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

اب وہ خوشی خوشی اسکول سے سیدھا مارننگ شو میں لگی اپنی پسند کی فلم دیکھنے تھیٹر چلا گیا....!!

انجان وفا

ایک مدت سے، میں تم سے وہ سب سننا چاہتا ہوں۔ جو میں نہیں جانتا اور تم مجھ سے وہ سب کہتی رہتی ہو جو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ وہ سب میں جان لو جو تمہارے دل میں چھپا ہے۔

میں نے تو اپنے دل کو ہمیشہ تمہارے سامنے کھلی کتاب کی طرح رکھا ہے کہ جب جی چاہے اور جہاں سے تمہارا دل چاہے پڑھ لو۔ لیکن کیا کبھی تم نے میرے چہرے سے میری باتوں سے، میرے قہقہوں سے انہیں پڑھا ہے سنا ہے۔ دیکھا ہے۔ سمجھا ہے اور محسوس بھی کیا ہے۔ اور ان سب سے کبھی کچھ جاننے کی کوشش کی ہے۔ اس بات کی ضرورت سمجھی ہے... شاید... نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا ہے۔ ورنہ کیا یہ ممکن تھا کہ میں اپنا سب کچھ، تمہاری آنکھوں کے سامنے گنوا بیٹھتا اور تم بالکل انجان بنی رہتی۔!!

سہارا

اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ صرف وہ تنہا تھا۔ بالکل اکیلا۔
چالیس سال ملازمت کے آنکھوں کے سامنے پل بھر میں پھیل کر سمٹ گئے
اور پھر وہ اکیلا رہ گیا۔
بھرے پُرے گھر میں اُسے کوئی بھی اپنی طرح نظر نہیں آیا۔ جیسے ایک وہی خالی
اور بے مصرف رہ گیا تھا۔
بچے جوان ہوکر ملازمت سے منسلک ہوکر، کب کے اپنا گھر بسا چکے تھے۔
لڑکیاں شادی کے بعد اپنے سنسار میں مگن تھیں۔
بیوی کو گھر گرہستی اور اپنی روز روز کی مصروفیت سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ
اپنے شوہر کی طرف بھی توجہ کرتی۔
آج اسے بڑی شدت سے اپنے بوڑھے ہونے کا احساس ہوا۔
آخر گھبرا کر اس نے گھر کے کونے میں پڑی بے جان لکڑی کو اپنے سہارے کے
لئے اٹھالیا۔!!

بدلتے زمانے

(۱)

شیشم کے چھپر کٹ پر بیٹھ کر پردادا نے دادا جان سے کہا۔

''بیٹے، ہم نے تمہاری شادی طے کر دی ہے۔''

دادا جان سر جھکائے یہ سنتے ہوئے خاموش ہو گئے۔

....

(۲)

دن گزرتے رہے۔ وقت بدلتا رہا۔

ایک دن ساگوان کی لکڑی سے بنے پلنگ پر بیٹھے دادا جان نے اپنے بیٹے، ابا جان سے پوچھا۔

''ہم تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تمہاری کوئی پسند ہو تو بتاؤ۔!''

ابا جان نظریں نیچی کئے بولے۔

''آپ کی پسند ہی میری پسند ہے ابا جان۔ آپ جہاں میری شادی کریں گے اور اس سلسلے میں جو بھی فیصلہ کریں گے۔ وہ میرے حق میں بہتر ہوگا۔''

....

(۳)

وقت کا پہیہ اپنی رفتار سے، بڑی تیزی کے ساتھ گھومتا رہا۔ اور موسم کے ساتھ حالات بھی بدلتے رہے۔

اور آج ایک عرصے کے بعد۔

ابا جان سے ان کے بڑے بیٹے نے کہا۔

''میں اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کر رہا ہوں ڈیڈ۔'' (ڈیڈی)

''مگر بیٹے'...!'' اباجان نے رکتے رکتے کچھ کہنا چاہا۔

لیکن بیٹے نے باپ کی بات کاٹ کر' پلائی ووڈ کے ٹیبل پر غصے سے اپنے ہاتھ کا مکہ مارتے ہوئے نہایت تیز لہجے میں کہا۔

''میں اپنی پسند کی لڑکی سے ہی شادی کروں گا ڈیڈ...' ورنہ گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ سمجھے۔''!

اور یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدموں سے گھر کے باہر نکل گیا۔

اباجان کو پلائی ووڈ کے ٹیبل کے سامنے شیشم اور ساگوان کے مضبوط پلنگ یکا یک ٹوٹتے نظر آئے۔ لیکن وہ بڑی بے بسی سے خاموش تماشائی بنے اسے دیکھتے رہے۔ جیسے اپنے ہی ہاتھوں خود کو ٹوٹتا بکھرتا دیکھ رہے ہوں۔!!

احتجاج

(۱)

وہ ایک بہت بڑا سماجی خدمتگار تھا۔اس نے جب اپنی قوم کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے خلاف آواز اٹھانے اور اپنے حق کے لئے صف آراء ہوکر احتجاج کیا تو اسے ایک عہدہ دیدیا گیا۔
اور وہ سوشل ورکر خاموش ہوگیا۔ ساتھ ہی پھر وہ قوم اور سماج کی بھلائی کو یکسر بُھلا بیٹھا.....!!

....

(۲)

وہ ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ سماجی حیثیت رکھنے والا فرد تھا۔اعلیٰ ترقیوں کا مینار تھا۔اس نے جب اپنے طبقے کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائی تو اُسنے ترقیاتی کاموں کا منتظم اعلیٰ بنا کر خاموش بٹھا دیا گیا۔!!

....

(۳)

عام زندگی میں ہونے والی ناانصافی اور نابرابری کے خلاف اس نے جب اپنا احتجاج پیش کرنا چاہا تو اس کی آواز اس کے اپنے گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔
کیوں کہ وہ ایک عام آدمی تھا جس کے پاس قوتِ برداشت کی طاقت کے اور کچھ نہ تھا۔

بے قیمت

ایک قومی مجسمہ کی بے حرمتی کے نتیجے میں شہر میں اچانک فساد پھوٹ پڑا۔
احتجاجاً پہلے دکانیں بند کرادی گئیں۔ لیکن بعد میں شرپسندوں نے آگ لگانا شروع کردیا۔ مکانوں کے ساتھ دکانیں بھی جلائی گئیں۔ کئی انسانی جانیں تلف کردی گئیں۔ اور پھر دیکھتے دیکھتے ہی پورا شہر جنگل بن گیا۔
حالات کے پیشِ نظر مشتعل ہجوم کو قابو میں کرنے کے لئے پولس کو فائرنگ کرنی پڑی جس کے نتیجہ میں کئی انسانی جانیں ضائع ہوگئیں کشیدہ حالات قابو میں کرنے کے لئے شہر میں کرفیو نافذ کردیا گیا۔
حالات قابو میں آنے کے بعد مجسمہ کی بے حرمتی کی تحقیقات کے لئے ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھادیا گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی تمام قومی مجسموں کی حفاظت کا حکم بھی صادر کردیا گیا اس بات کا خیال کئے بغیر کہ اس پورے واقعے میں پانچ انسانی جانیں تلف ہوئی تھیں۔!!

منافقت

اپنے وقت کے ایک بڑے افسانہ نگار کے بارے میں' اس نے اس کی کہانیوں میں چھپی زندگی کی سچائیوں کی تلخیوں کو تمام تر کڑواہٹ کیساتھ بڑی شدت سے محسوس کیا۔اوراس بات کا اعتراف کرتے ہوئے اس افسانہ نگار سے کہا۔
''تمہاری کہانیوں میں گردوپیش کی دنیا کی للکار پوری سچائیوں کے ساتھ زندہ ہے۔''
لیکن بعد میں وہی شخص لوگوں سے' اس نامور افسانہ نگار کے بارے میں جھوٹ بولتارہا۔!!

خواہش

ملک کے ممتاز، نامور اردو افسانہ نگار نے اپنے آخری وقت میں اپنے بیٹوں کو بلا کر وصیت کی۔

''اگر ہو سکے تو میری ان شاہکار کہانیوں کو ضرور پڑھ لینا، جنہیں میں نے تمہاری خاطر ہندی اور انگریزی میں منتقل کروالیا ہوں۔

لیکن تمہارے لئے یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم ان آڈیو اور ویڈیو کیسٹس کو ہی کبھی دیکھ لینا۔ جن میں، میں نے اپنی لازوال اردو کہانیوں کو ریکارڈ کروا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تم لوگوں کے واسطے محفوظ کروا دیا ہے۔''!!

اندیشہ

''میاں' تمہارے ماں باپ نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ بہت دکھ جھیلے ہیں۔ لیکن کبھی اپنی ایمانداری اور شرافت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ اور پھر پوری زندگی اسی وضعداری اور رواداری سے گزاردی۔ اسی لئے میاں' آج تم سکھ سے جی رہے ہو۔''

''اپنے لوگوں سے اکثر' جب کبھی یہ جملے سنتا ہوں تو خود یہ سوچتے ہوئے کانپ کانپ جاتا ہوں کہ کیا میری اولاد دکھ اٹھائے گی...؟!''

گزرتے وقت کے ساتھ یہ سوال میرے سینے میں کسی نشتر کی طرح پیوست ہے اور میں بے بس' اپنے حال سے بے خبر ہو کر' بچوں کے مستقبل کی فکر میں گم ہو گیا۔!!

شرمندگی

میرے پرکھوں نے گھر کے بڑے سے آنگن میں نیم کا جو پیڑ لگایا تھا۔ جس کی چھاؤں میں، میں بڑا ہوا۔

لیکن آج، جب میرے بچے بڑے ہونے لگے تو آنگن کا تصور ہی وقت اور حالات نے کہیں گم کر دیا۔ اب میں پیڑ کو کیا روؤں کہ گھر سے آنگن ہی غائب ہو گیا........

شاید اسی لئے، جب میرے چھوٹوں نے میری عزت و تعظیم نہیں کی تو مجھے کسی ذہنی کوفت کا احساس نہیں ہوا بلکہ مجھے ایک طرح کی شرمندگی کا احساس ہوا۔ نہ جانے کیوں؟!....

عادت

جب میں اپنے دوستوں کی آبادیوں میں تھا۔
تب بھی اس بھیڑ میں تنہا تھا۔ اکیلا تھا۔
شاید اسی لئے آج سب سے بچھڑ کر، سب کو چھوڑ کر بھی اکیلا ہوں۔
لیکن اپنی تنہائی اور اکیلے پن کا مجھے کوئی احساس نہیں ہوتا۔
شاید اب اکیلے رہنے کی عادت سی ہو گئی ہے۔!!

نصیب

اس نے اپنے قریبی دوست کو بتایا کہ.....

''اسے رونے سے،رونے کی آواز سے اور رونے والے سے چڑ سی رہی ہے۔''

یہ سن کر وہ فوراً کہہ اٹھا.....

''مگر خود تمہاری زندگی تو.........!''

بات کاٹ کر،وہ مسکرا کر بولا.......

''ہاں' یہ بھی اتنا ہی سچ ہے کہ اب تک کی میری زندگی صرف رونے میں ہی گزری ہے،.......!''

اطمینان

''تم اس شخص پر اتنا بھروسہ کرتے ہو کہ اسے اپنے سینے میں چھپے سارے راز دکھلا دیئے ۔لیکن کہیں وہ تمہاری کمزوریوں کا فائدہ اٹھا کر تمہارا استحصال کرنا شروع نہ کر دیں۔''

''نہیں، مجھے اس شخص پر پورا اعتماد ہے.....وہ کبھی میرے ساتھ ایسا نہیں کرے گا۔''

''یہ اعتماد نہیں' تمہاری غلط فہمی ہے۔لوگوں کے سامنے اپنے راز اس طرح ظاہر نہ کرو کہ بعد میں' اس کے پاس کوئی بات تمہاری کمزوری بن کر ابھرے اور....''

''اور کیا بھئی.....!''

''اور انسان کو اتنا کمزور تو بہر حال نہیں ہونا چاہئے کہ وہ اپنے سینے میں خود اپنے راز بھی چھپا کر نہ رکھ سکیں۔''

راز

کہتے ہیں کہ دوسروں کو اپنا غم سنانے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور غم کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے لیکن وہ جب کبھی دوسرے کو اپنے غم کا احوال سناتا۔ اس کا درد اور بھی سوا ہو جاتا۔

اور ہر بار ایسا کرنے کی کوشش میں اس کے غم میں شدید اضافہ ہو جاتا۔

آخر ایک دن اس نے اپنے غم کی شدت کے راز کو پالیا ....

دراصل وہ سارے لوگ ہی اس کے غموں کا سبب تھے۔

پہچان

''تمہارے دوست نے' اس قریبی شخص نے تمہیں دھوکہ دیا۔ تمہارے ساتھ فریب کیا اور اس بات کا تمہیں کوئی دکھ بھی نہیں۔''

''دکھ کیسا بھئی' مجھے معلوم تھا کہ وہ میرے ساتھ ایسا ہی کریں گے کیوں کہ میں جانتا ہوں۔ میرے سارے دشمن وفادار اور دوست ریا کار ہیں۔''

ایکبار پھر.......!

میں انتظار کرتا رہا۔

مگر نل میں پانی نہیں آیا تھا....

آخر بغیر نہائے اور بنا کچھ کھائے پئے ہی گھر سے دفتر کے لئے نکل پڑا۔

بس اسٹاپ پر پہنچا تو بس نکل چکی تھی۔

مہینہ کی آخری تاریخ اپنے اندر اتنی گنجائش نہیں رکھتی تھی کہ میں آٹو رکشہ کر لیتا۔

بالآخر میں پیدل ہی چل پڑا۔

اور میری آنکھوں کے سامنے

ایکبار پھر ریڈ ریمارکس ناچ رہے تھے...!!

دنیاداری

میں جانتا ہوں اس کے دل میں میرے لئے کتنی نفرت ہے۔ کتنا زہر بھرا ہوا ہے۔لیکن یہی کیا کم ہے کہ وہ خود ہو کر ہنستے ہوئے مجھ سے گلے مل رہا ہے....

جبکہ......اپنوں کے دل' شاید محبت سے لبریز ہونے کے باوجود چہرے کس قدر جذبات سے عاری ہیں......

اور انہیں کہاں اتنی فرصت ہے کہ......

وہ بھی ہماری خوشیوں میں شریک ہو کر خوش دلی کا مظاہرہ کر سکیں۔

اور کبھی مسرت کا اظہار کر کے' کم از کم اتنی دنیاداری تو نبھا سکیں....!!

مجبور

تمہارے دل کی بات لبوں کے راستے سے مجھ تک نہ آسکی۔تم بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں۔لیکن شرم وحیا کی اور ایسی ہی کتنی دیواریں آڑے آگئیں۔
مگر تمہارے چہرے پر لکھی وہ ان کہی باتیں میری آنکھوں نے پڑھ لیں۔
لیکن بندشوں میں گھرا آدمی، ....
جس کے پیروں میں وقت اور حالات نے ذمہ داریوں کی بیڑیاں ڈال دی تھیں۔سب کچھ سمجھ کر بھی کچھ سمجھ نہ سکا۔
بس انجان بن گیا......!!

خراجِ عقیدت

ٹی وی اناؤنسر نے خبروں کے آخر میں، ایکبار پھر خاص خاص خبروں کو دہراتے ہوئے کہا۔

''مدھیہ پردیش کے شہراندور، کھرگون کے بعدرتلام میں بھی فرقہ وارانہ فساد پھوٹ پڑا۔ جس کے نتیجے میں سینکڑوں زخمی اور کئی ہلاک ہوگئے۔''

''مدورائی کے بعد بدایوں میں فرقہ وارانہ تصادم میں آج پھر بڑے پیمانے پر چھرازنی اور زدوکوب کے واقعات جاری رہے۔''

''سری نگر کے ضلع انت ناگ میں بلوائیوں کو منتشر کرنے کے لئے پولس کو فائرنگ کرنی پڑی۔ جس کے نتیجے میں دو شخص ہلاک ہوئے۔''

''پنجاب میں دو کٹر آتنک وادیوں نے ایک مسافر بردار بس کو آگ لگادی اور آج............ دیش بھر میں راشٹر پتا، اہنساوادی باپو مہاتما گاندھی کی جینتی بڑی شردھا اور پورے سمان کے ساتھ منائی گئیں......!!''

ماحول

ٹی وی پر ایک گھریلو سریل چل رہی تھی.....

میں اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھا' سیریل دیکھنے میں منہمک تھا۔ سریل کے درمیان میں' بریک کے نام پر اشتہار دکھائے جارہے تھے۔

''نرودھ' وسپر' مالا ڈی' سہیلی وغیرہ وغیرہ۔''

اور میرا پانچ سالہ بیٹا بار بار سوال کئے جارہا تھا۔

''ڈیڈی' یہ کیا ہوتے ہیں اور کس کام آتے ہیں۔''

میں اپنے بچے کا دھیان دوسرے اشتہار جیسے

''میرا بھارت مہان'' لڑیئے مت لڑایئے مت''

''پڑھیے اور پڑھایئے.... ''انسان بننا مشکل ہے مگر شیطان بننا آسان''......

وغیرہ کی طرف اس کی توجہ مبذول کروارہا تھا۔

اور سیریل کی دلچسپی میں اپنے انہماک کیساتھ اسے بھی شریک کرنے کی کوشش کررہا تھا۔ لیکن تجسس کی عمراُسے بے چین کئے ہوئے تھی۔

اور میں کسی طرح اسے مطمئن نہیں کرپارہا تھا۔

آخر بچے کے بار بار سوال سے تنگ آکر'

میں سریل ادھوری چھوڑ کر' بے اختیار گھر سے باہر نکل پڑا۔

فطرت

میں دن بھر آفس میں اپنے لیڈیز ساتھیوں کے ساتھ ہنستا بولتا رہا۔ کھاتا پیتا رہا۔ موج مستی کی ترنگ میں قہقہے لگاتا ہوا اپنے دفتر کا وقت پورا کیا۔

شام کو جب گھر پہنچا اور دروازے پر کھڑی اپنی بیوی کو پڑوسی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف پایا تو یوں لگا جیسے میرے جسم پر اچانک سینکڑوں ناگ رینگ گئے ہو.........

اور پھر ان سب کا زہر میرے پورے جسم میں سرائیت کر گیا....!!

تفاوت

میں اپنے محکمہ میں جب نیا نیا تقرر ہو کر آیا تھا تو ورما صاحب میرے سب سے سینئر ساتھی تھے۔ میں انہیں ''سر'' کہتا تھا۔ اوران کی بڑی عزت کرتا تھا۔ بعد میں بڑھتی ہوئی عمر اور بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ وہ میرے لئے ورما صاحب بن گئے۔

''سر'' سے ''صاحب'' تک کے سفر میں' میں نے انہیں کبھی صرف ورما نہیں کہا۔لیکن آج دس برس بعد، نئے تقرر شدہ اسٹاف میں سے ایک جونیئر کلرک نے ورما' اس طرح کہہ کر پکارا کہ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بھرے بازار میں نیلامی کی بولی لگا دی ہو......!!

رشتوں کے دائرے

وہ پہلے میرے لئے ایک اجنبی تھا۔

پہلی ملاقات ہوتے ہی شناسا بن گیا۔

اور کچھ ہی دنوں میں، میرا اچھا خاصہ دوست ہو گیا۔

اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دوستی اس قدر بڑھی کہ.....

دوستی رشتہ داری میں بدل گئی....

لیکن، رشتہ دار بنتے ہی....

چند دنوں میں ہی......

میرے لئے وہ پھر "اجنبی" بن گیا....!!

سراب

میرے اندر ایک نیا گھر بنانے کی ہمت جاگ چکی تھی۔
گارے مٹی اور اینٹ کی مدد سے نیا گھر تو بنالیا۔ جو چند قریبی رشتہ داروں، کچھ مخلص دوستوں کے تعاون اور ساتھ ہی دفتری قرض کی سہولت سے بن تو گیا تھا۔ لیکن اس تگ ودو میں اندر ہی اندر میں کہیں ٹوٹ گیا تھا۔ مجھے خود ہی اپنے اصولوں کو توڑنا پڑا تھا۔
لیکن آج مجھے بڑی شدت سے محسوس ہوا کہ چار دیواری گھیر لینے سے مکان تو بن جاتا ہے مگر گھر نہیں بنتا، جس کی چاہ انسان ایک عمر کرتا رہتا ہے۔!!

مدّ و جزر

میں پہلے کتنا جذباتی تھا۔ بات بات پر غصہ میں آجاتا۔ اور لڑ پڑتا۔ ہر غلط بات پر فوراً اپنا احتجاج پیش کرتا۔ کسی کے بھی غم کو اپنے غم کی طرح محسوس کرتا۔ اور اسی طرح کسی کی خوشی کو بھی اپنی خوشی سمجھ لیتا۔

لیکن حالات کے الٹ پھیر کا میری طبیعت پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ میں بھی وقت کے ساتھ چل پڑا۔

اب میں نے بھی خاموش رہ کر زمانے کی نیتی اپنالی ہے......

نہیں، شاید......سب کے ساتھ رہ کر، سب کی طرح سب سے کٹ کر، سب کے جیسا بن کر رہ گیا ہوں.....!!

خودغرض

وقت نکل جانے پر،
اکثر لوگ اپنے محسن کو ہی بھول جاتے ہیں۔
لیکن عجیب بات یہ ھے کہ.........
محسن کو بھول جانے والی بات ہمیشہ یاد رہتی ہے...!!

بھرم

”بڑے بڑے رشتہ داروں کے اعلیٰ عہدوں کا بھرم........
ان کی دولت اور عزت کا بھرم........
اپنی تعلیم اور لیاقت کا بھرم......
سب جگہ اپنی شہرت اور مقبولیت کا بھرم......
سب لوگوں میں اپنی چاہت اور محبت کا بھرم......
لیکن جس دن یہ سارے بھرم ٹوٹ جائیں گے.... سوچتا ہوں اس دن کیا ہوگا؟!......“

شاید اُس دن اپنے چھوٹے ہونے کا احساس جینا دوبھر کردے گا...
لیکن........ اس دن خود اپنے بل بوتے پر........
اپنی پہچان کے ساتھ زندہ رہنے کا احساس بھی جاگے گا۔

زخم

میں نہیں چاہتا کہ کبھی میرے زخم بھریں۔اس لئے کہ جب بھی زخم بھر جاتے ہیں تو اپنے نشان چھوڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ خلش اور کسک دیتے ہیں۔ ماضی کی دنیا میں معلق کر دیتے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ میں اپنے پرانے زخموں کو ہمیشہ تازہ دم رکھنا چاہتا ہوں۔تا کہ یادوں کی خلش' زخموں کی نشانیوں کی کسک کبھی دل میں نہ رہے......

زخم تازہ رہے تو تکلیف تو بہت ہوتی ھے لیکن کوئی خلش نہیں رہتی ہے۔تکلیف دہ ماضی کا احساس نہیں ابھرتا ہے......رہی تکلیف اور درد کی بات' تو یہ چیز قوت برداشت اور بڑھاتی ھے۔اور زندگی جینے کا نیا حوصلہ بخشتی ہے....

اس طرح تکلیف کی یہ عادت میری زندگی میں روز مرہ کا ایک معمول بن گئی ہے.....!!

خودفریبی

دوستی کی کھیتی کرکے، سب کے ساتھ رہ کر دیکھ لیا۔ کیا ملا..... کیا ہاتھ آیا....

دھوکہ دہی، فریب، خودغرضی اور منافقت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔

اس لئے اب کسی سے دوستی کرنے کو جی نہیں چاہتا۔

لیکن.... پھر اکیلے رہ کر بھی دیکھ لیا....

کیا ملا... کیا پایا...؟!

مایوسی، وحشت اور تنہائی کا کرب ـــــ

جبکہ اپنے تنہا ہونے کے احساس سے ہی دل گھبراتا ہے۔

شاید اسی لئے میں پھر دوستوں کی محفل میں آجاتا ہوں....!!

آئینہ کے باہر

نیتا جی نے اپنے پارٹی ورکروں کو بلا کر شہر میں بڑھتے ہوئے عصمت دری کے واقعات پر اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے سخت تاکید کہ اس برائی کے خلاف زبردست آواز اٹھائی جائے۔

اور سماجی بیداری کی مہم کا آغاز کرتے ہوئے انہوں نے اپنے ورکروں کے بھوک ہڑتال کا پروگرام طے کیا۔ تاکہ حکومت کی اس سمت توجہ مبذول کروائی جائے۔ اور ایوانِ اعلیٰ میں اس سماجی برائی کے خلاف آواز بلند کی جائے۔

اس پروگرام کو قطعیت دینے کے بعد، نیتا جی اپنے طے کردہ تفریحی پروگرام کے سلسلے میں گیسٹ ہاؤس چلے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر اپنے مشیر خاص کو بستر گرم کرنے کے لئے ایک نئی لڑکی کی فرمائش کی......

اور پھر نشے میں جھومتے ہوئے داد و عیش لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔

لمحوں کا انقلاب

ایک وقت تھا جب چھوٹے بھائی پر وقت پڑا تو بڑے بھائی نے اپنے حصے کا کھیت بیچ کر اس کی مدد کی تھی، اور آج برسوں بعد.....

ان کے بعد کی نسل میں،.......میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں۔.....

چھوٹے بھائی نے اپنے موروثی گھر میں حصہ پانے کے لئے، بڑے بھائی کو قانونی طور پر باقاعدہ عدالت سے نوٹس بھجوادی ہے۔

اور میں بے بس خاموش تماشائی بنا، بس چپ رہ کر،

لمحوں کو صدیوں میں بدلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔.......!!

فاصلے

ایک عرصے کے بعد ان کی ملاقات ہو رہی تھی۔

مدتوں بعد وہ ایک دوسرے سے گلے مل رہے تھے۔

مگر دل کے اندر بے شمار شکوے اور شکایتیں تھیں اور نہ جانے کتنی ناراضگی اور غصے جیسی کیفیت تھی......

لیکن ملاقات ہوئی تو ملتے ہی وہ سب بھول گئے۔ وہ ساری کیفیتیں معدوم ہو گئیں۔

اور محبتوں کا سفر کبھی نہ ختم ہونے کے لئے زندگی کے نئے راستوں پر چل پڑا۔

ایک دن اچانک وہ پھر بچھڑ گئے۔ ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔

مگر محبتیں زندہ رہیں۔

لیکن مدتوں بعد....

ایک وقت ایسا آیا جب وہ ایک دوسرے کے بالکل قریب آ گئے۔

مگر چند دنوں میں ہی انہوں نے بڑی شدت سے محسوس کیا..

جیسے وہ ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئے ہو.....!

اعتراف

اس کا شہر میں بڑا نام تھا........

اس کی بڑی شہرت اور عزت تھی......

ہر طرف اس کا ہی چرچا تھا......

لیکن جب اُس نے کھلے دل سے اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کا اعتراف کیا تو

اچانک وہ بدنام ہوگیا......اور........سب کی نظروں سے گر گیا......

شاید پھر کسی نے اس کا جرم قابلِ معافی نہیں سمجھا تھا۔

فرقت

جب تک تم مجھ سے دور تھے تو اس دوری میں بھی قربت تھی۔
لیکن جب تم میرے قریب ہوئے تو تم سے جدا ہونے کا خیال تو درکنار
....تمہارے بغیر جینا ہی محال ہو گیا.....
لیکن نہ جانے کیوں.....
رفاقتوں کے ان لمحوں میں، قربت کی اس محبت بھری تپش میں....
فرقتوں کے غم جیسی شدت نہیں تھی۔
شاید، اب ویسی محبت نہیں تھی۔

زمانہ کا اثر

پہلے کسی غلط بات پر، کسی جھوٹ، کوئی ناانصافی اور نابرابری کی بات پر خوب غصہ آتا تھا.......

وہ فوراً مارنے مرنے پر تل جاتا تھا۔ اسے کچھ بھی برداشت نہیں ہوتا تھا۔

اور پھر بدلتے ہوئے وقت کے ساتھ ناانصافی وظلم کی زیادتی دیکھ کر اسے بہت افسوس ہونے لگا......

اور یہ تاسف بھرا احساس غم میں بدلنے لگا۔

لیکن اب یہ دکھ بھرا تاثر، احساس کی کوئی کیفیت اس کے اندر پیدا نہیں کرتا ہے۔

شاید اس نے اپنے حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔

نہیں، شاید اس نے خود کو حالات کے حوالے کردیا ہے۔

فرق

میرا چھوٹا بھائی، میرا حکم سنتا ہے اور نہ ہی میرا بیٹا فرماں بردار ہے....
اور بیوی بھی اب میری خدمت نہیں کرنا چاہتی ہے....
ساتھ ہی ایسے تمام رشتے جو نہ تو اب میرے بس میں ہیں....
اور نہ ہی وہ میری کوئی بات سننا چاہتے ہیں....
کہ ہر ایک کی اپنی ایک الگ دنیا ہے اور وہ سب اُسی میں مگن ہیں.....
اس لئے اب میں نے ایک روبوٹ خرید لیا ہے، جس کی مجھے بھاری قیمت ضرور چکانی پڑی ہے.....
لیکن، یہ میرے حکم کا غلام ہے۔

پسند

اپنے بچّے کی روز روز کی ضد سے تنگ آ کر، میں نے اُسے ڈھیر سارے کھلونے لاکر دیدیئے اور میں خوش ہو گیا... کہ اب اس کی فرمائش پوری کرنے کے بعد، دفتر سے گھر آنے پر ذرا سکون ملے گا.....

لیکن دوسرے ہی پل اس نے وہ سارے کھلونے جیسے میرے منہ پر لاکر پھینک دیئے۔ میں نے اُسے غصیلی نظروں سے دیکھا اور کہا.....

''اب کیا رہ گیا ہے اور کون سا کھلونا چاہئے تمہیں۔''

''پاپا، یہ بھی کوئی کھلونے ہیں۔ مجھے تو کھلونوں میں بندوق، مشین گن اور رائفل چاہئے۔''

تصویر کا دوسرا رُخ

وہ ملک کا ایک بڑا مقبول اور ممتاز ادیب تھا۔ اس کا بڑا نام اور شہرہ تھا۔ بڑی عزت اور وقعت تھی۔ اکثر انعامات اور ایوارڈ بھی ملا کرتے تھے۔

ملک کے معتبر اور موٴقر رسائل اور جرائد میں اس کی تخلیقات نمایاں طور پر شائع ہوا کرتی تھیں۔ جس میں سماجی اور معاشرتی مسائل کی بھرپور عکاسی ہوا کرتی تھی۔ ہر طرح کی نابرابری اور ظلم و استحصال کے خلاف، وہ لفظوں کی شکل میں اپنا زبردست احتجاج پیش کر کے اپنے اندر کے فنکار کو مطمئن کرتا رہتا۔

ایک دن اس کی بیوی نے بڑے فکر مند لہجے میں کہا۔

''میں جانتی ہوں آپ کی بڑی عزت و شہرت ہے۔ خوب مقبولیت اور نام ہے..

لیکن، کاش! تمہاری ان کاوشوں سے کبھی اتنے پیسے بھی مل جاتے کہ....

تم گھر میں بیٹھی اپنی جوان بیٹیوں کے ہاتھ بھی پیلے کر سکتے۔''

سبب

وہ روز اپنے زخموں پر مرہم رکھتا۔لیکن اس کے زخم مندمل ہونے کے بجائے
ہرے ہونے لگتے اور زخم پھر سے ابھرنے لگتا۔
وہ پریشان ہوجاتا۔تکلیف سے گھبرا کر پھر اپنے زخم پر مرہم رکھتا۔لیکن زخم پھر
ابھرنے لگتا۔
آخر ایک دن اس نے اس راز کو پالیا کہ.....
دراصل وہ مرہم ہی اس کے زخم ابھرنے کا اصل سبب تھا۔!!

ندامت

وہ ایک مشہور ماڈل تھی...

خوبصورت چہرے والی، جاذب نظر اور پرکشش جسم کی مالک، ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔

ماڈلنگ سے ایک دن اچانک وہ فلموں میں آ گئی۔ جلد شہرت پانے کے لئے اس نے کئی فوٹو سیشن کروائے۔ مگر جس دن وہ ٹاپ لیس فوٹو دیکر اپنے گھر لوٹی تو اس کے خوددار باپ نے اسے گھر سے نکال دیا۔ لیکن اسے کوئی احساس نہیں ہوا۔ کیونکہ اسے فلموں میں بریک مل چکا تھا۔

اب وہ ماں کے گھر پر رہنے لگی جو پہلے ہی اپنے شوہر کے گھر سے نکل کر علیحدہ رہتی تھی۔ اسے دھڑادھڑ فلمیں ملتی رہیں وہ بام عروج کی بلندیوں کو چھوتی رہی اور شہرتوں کی دنیا میں آباد رہنے لگی۔

لیکن ایک دن جب اس نے غیر ملکی رسالوں کو فوٹو سیشن کے نام پر بالکل نیوڈ (ننگی) پوز دیئے تو اس کی ماں نے بھی اُسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ لیکن اسے اس بات کا کوئی دکھ نہیں ہوا۔

کیوں کہ فلموں میں وہ اپنا ایک مقام بنا چکی تھی۔ اسے بڑی تعداد میں بڑے بڑے بینرس کی نئی نئی فلمیں ملنے لگی تھیں۔ اور بھی کئی فلموں کے آفرس تھے۔ اب وہ خوب دل کھول کر اپنے جسم کی نمائش کرنے لگی۔ اور گلمیر سے بھری عیش و نمائش کی دنیا میں مست و مگن رہنے لگی۔ لیکن ایک عرصے کے بعد......

ایک وقت ایسا آیا جب اُسے فلموں سے نکال سے نئی لڑکیوں کو چانس دیا جانے لگا۔ ہمیشہ اس کے آگے پیچھے رہنے والوں نے اس سے منہ موڑ لیا اور اس سے

ملنے سے بھی کترانے لگے۔

کیونکہ اب اس کا حُسن ماند پڑ چکا تھا۔ جوانی ڈھل چکی تھی۔ لیکن اب اس کے پاس سوائے دکھ، مایوسی اور پشیمانی کے کچھ بھی نہ تھا۔ اور کوئی اپنا بھی نہیں تھا۔

ایسے وقت میں بے ساختہ اسے اپنا گھر، اپنے ماں باپ، یاد آئے۔ اور وہ بے اختیار ندامت سے اپنی اس حالت پر رو پڑی۔!!

احساس کا زخم

شہر میں فساد کا سیلاب تھمنے کے بعد'
رحیم اور رام آپس میں گفتگو کرنے لگے........

''ہمارے والوں کا نقصان بہت زیادہ ہوا......''

یہ سن کر دوسرے فوراً کہا.....

''ہمارے لوگوں کا بھی کچھ کم نقصان نہیں ہوا....''

''ہاں بھئی اب تک بہت نقصان ہو چکا۔ اس لئے اگر دونوں فرقے کے لوگ مل جل کر رہنا طے کرلیں تو......!'' پہلے نے تجویز پیش کی۔

''ہاں' اور یہ عہد کرلیں کہ آپس میں کبھی نہیں لڑیں گے تو کتنا اچھا ہوگا۔''

دوسرے نے زوردار تائید کی۔

''یہ تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ لیکن اس بات کا احساس' کاش ہمیں ۵۰ سال پہلے ہو گیا ہوتا''......؟ پہلے نے سرد آہ بھر کر کہا...

''تو بھئی ملک کی سیاست کا رخ ہی کچھ اور ہوتا اور آج ملک نے کتنی ترقی کرلی ہوتی۔'' دوسرے نے جواب دیا...

''سیاست تو خیر چھوڑیئے' جہاں تک ترقی کی بات ہے تو ہماری ترقی کی مثال دینا مشکل ہوتی....اور اگر واقعی ایسا ہوتا تو آج پوری دنیا میں اپنا ملک ہی سپر پاور ہوتا۔'' پہلے نے تڑ کے جواب دیا....

اور وہ دونوں بت بنے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

ملنے سے بھی کترانے لگے۔

کیونکہ اب اس کا حُسن ماند پڑ چکا تھا۔ جوانی ڈھل چکی تھی۔ لیکن اب اس کے پاس سوائے دکھ، مایوسی اور پشیمانی کے کچھ بھی نہ تھا۔ اور کوئی اپنا بھی نہیں تھا۔

ایسے وقت میں بے ساختہ اسے اپنا گھر، اپنے ماں باپ، یاد آئے۔ اور وہ بے اختیار ندامت سے اپنی اس حالت پر رو پڑی۔!!

احساس کا زخم

شہر میں فساد کا سیلاب تھمنے کے بعد'
رحیم اور رام آپس میں گفتگو کرنے لگے.......
''ہمارے والوں کا نقصان بہت زیادہ ہوا......''
یہ سن کر دوسرے فوراً کہا.....
''ہمارے لوگوں کا بھی کچھ کم نقصان نہیں ہوا....''
''ہاں بھئی اب تک بہت نقصان ہو چکا۔ اس لئے اگر دونوں فرقے کے لوگ مل جل کر رہنا طے کرلیں تو......!'' پہلے نے تجویز پیش کی۔
''ہاں' اور یہ عہد کرلیں کہ آپس میں کبھی نہیں لڑیں گے تو کتنا اچھا ہوگا۔''
دوسرے نے زوردار تائید کی۔
''یہ تو بہت ہی اچھا ہوگا۔ لیکن اس بات کا احساس' کاش ہمیں ۵۰ سال پہلے ہو گیا ہوتا''......؟ پہلے نے سرد آہ بھر کر کہا...
''تو بھئی ملک کی سیاست کا رخ ہی کچھ اور ہوتا اور آج ملک نے کتنی ترقی کرلی ہوتی۔'' دوسرے نے جواب دیا...
''سیاست تو خیر چھوڑیئے' جہاں تک ترقی کی بات ہے تو ہماری ترقی کی مثال دینا مشکل ہوتی....اور اگر واقعی ایسا ہوتا تو آج پوری دنیا میں اپنا ملک ہی سپر پاور ہوتا۔'' پہلے نے تڑ کے جواب دیا....
اور وہ دونوں بت بنے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

ناقدری

۲۵ سال قبل کی بات ہے۔
گریجویشن مکمل کرنے کے بعد میں ایک تعلیمی ادارے میں انٹرویو دینے گیا۔ تو بڑی عزت کے ساتھ بحیثیت مدرس میرا تقرر فوراً کر دیا گیا۔ لیکن میں اپنی ایک گھریلو مجبوری کے سبب اس ملازمت کو قبول نہ کر سکا....

اور آج..... اتنے برسوں بعد' اسی ادارے میں اپنے بڑے لڑکے کو جو مجھ سے کئی گناہ تعلیم یافتہ ہے اور آج کی تمام قابلیتیں رکھتا ہے۔ یعنی بی پلس 'ٹرینڈ اور نیٹ وسیٹ سے آراستہ ہے۔
جب میں نے اس کے تقرر کے سلسلے میں ادارے کے ذمہ داروں سے بات کی۔ تو انہوں نے ایک لاکھ کا مطالبہ کیا۔ یہ جان کر میں سکتہ میں آ گیا کہ اس ربع صدی میں تعلیم کے اس طرح عام ہونے کے باوجود اور اس کی بے پناہ مقبولیت کیساتھ ہی اسکی ناقدری میں بھی کس قدر اضافہ ہوا ہے کہ تعلیم جیسے تجارت بنا دی گئی ہے۔

مردانگی

وہ زندگی بھر کنواری رہی۔
کیونکہ محبت کے حسین، سبز باغ تو اُسے سب نے دکھائے تھے
لیکن شادی کرنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔
شاید اس لئے کہ........
اس کی زندگی میں آنے والے وہ سارے مرد
شادی شدہ تھے......!!

نقاب

ہر وہ شئے جو کسی نہ کسی پردے میں چھپی رہتی ۔ اسے دعوتِ نظارہ دیتی ۔ اسے دیکھنے کی خواہش ' ہر وقت اس کے دل میں موجزن رہتی ۔

اور وہ ہر پردے میں رہنے والی چیز کو بے نقاب کرنا چاہتا ۔

اپنے اسی مقصد کے تحت ' ایک دن اس نے ایک چہرے سے نقاب ہٹائی لیکن گھبرا کر دوسرے ہی لمحے وہ پردہ فوراً ڈال دیا ۔

کیونکہ اس بے نقابی میں اُسے اپنی زندگی کا ایک اہم راز فاش ہوتا دکھائی دے رہا تھا....!!

مشورہ

''یہ صحیح ہے کہ غلط کو غلط کہنا غلط ہے۔''

''سچ کو سچ کہنا بھی سچ ہے.... ''لیکن تمہاری غلطی یہ ہے کہ تم غلط کو فوراً غلط کہہ دیتے ہو۔ سچ کو جھوٹ نہیں کہہ سکتے ہو۔ کسی قسم کی مصلحت سے کبھی کام نہیں لیتے ہو... اور......... مگر...... آئندہ ایسا مت کرنا میرے بھائی.....''

کبھی کبھار مصلحت سے کام لینا بھی سیکھ لو بھئی.....'' اس نے پوری اپنائیت سے کہا۔

اور میں حیران بنا اپنی غلطی کا محاسبہ کرنے لگا۔!!

مذاق

اس کے چہرے کی خوبصورتی اچانک میری زندگی میں اس طرح شامل ہوگئی جیسے میرا اپنا وجود کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو۔بس اس کے چہرے کی خوبصورتی زندگی کے ہر منظر میں نمایاں طور پر پھیل گئی ہو۔

لیکن بعد میں مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ وہ خوبصورتی اپنی اہمیت کے ساتھ ساتھ ایک خاص قیمت بھی رکھتی تھی۔ جو شاید میں کبھی ادا نہیں کر سکتا تھا۔مجبوراً میں نے ایک بدصورت چہرے کو اپنی زندگی سمجھ لیا.........

لیکن آج' اس خوبصورتی کا انجام جان کر مجھے شدت سے اس بات کا دکھ ہو رہا ہے۔اتنی تکلیف تو شاید' مجھے اس دن بھی نہیں ہوئی تھی جب میں اس خوبصورتی کو پا نہیں سکا تھا۔

اپنی اس محرومی کا اس قدر تکلیف دہ احساس نہیں ہوا تھا۔جس قدر تکلیف اب یہ جان کر ہو رہی ہے کہ وہی خوبصورتی ' ایک بدصورت کی زندگی بنا دی گئی ہے.........!!"

تنہائی کا احساس

جب آدمی زندگی سے گھبرا جاتا ہے تو
دوستوں کی محفل میں چلا جاتا ہے۔
اور جب اندر ہی اندر ٹوٹ جاتا ہے تو اپنے آپ میں گھر جاتا ہے۔
لیکن جب دونوں ہی جگہ نہیں رہ سکتا ہے تو بالکل تنہا رہ جاتا ہے۔
مگر ٹوٹتا نہیں ہے۔ مرتا نہیں ہے۔
پھر بھی جیتا ہے..... لیکن..... پھر.......
تنہائی کا احساس ہر پل اس کے اندر زندہ رہ جاتا ہے۔!!

ترکیب

میں چکر لگاتے لگاتے تنگ آ گیا تھا۔
اس محکمہ میں اب تک اپنے معمولی سے کام کے لئے میں روز روز جا کر، تھک ہار کر پریشان ہو گیا تھا۔ اور کام تو کسی صورت سے ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ جب جاؤ ہر وقت یہی جواب ملتا.........
''کل آؤ..... آج تمھاری فائیل نہیں مل رہی ہے۔''
''آج صاحب چھٹی پر ہیں..... کل آؤ......'' ''ابھی صاحب بزی ہیں۔''
''صاحب دورے پر گئے ہیں''... ''صاحب میٹنگ میں ہیں''۔ وغیرہ وغیرہ ہر دن ایک نیا بہانہ اور ایک نیا عذر سننے کو ملتا۔ یہ سنتے سنتے میرے کان پک گئے تھے اور کام نہ ہونے کی وجہ سے میں خاصا پریشان ہو گیا تھا۔
بہت دنوں سے وہاں کا ایک چپراسی مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ایک روز اس نے شاید میری بے بسی دیکھ کر پوچھ لیا۔
''بابو جی، آپ کو کہیں دن سے پریشان دیکھ رہا ہوں۔ آپ یہاں روز آتے ہیں۔ ادھر سے ادھر چکر لگا کر چلے جاتے ہو۔ آخر کیا بات ہے۔ کام کیا ہے؟ مجھے بتا سکتے ہو۔''
''ہاں بھئی میں اپنے ایک چھوٹے سے کام کے لئے یہاں کئی دن سے آ رہا ہوں اور اب روز روز کے چکر سے تنگ آ گیا ہوں۔''
کیا تھوڑے سے پیسے خرچ کر سکتے ہو''..؟!
اس نے بڑی ہمت کر کے مگر اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔
اس کی اپنائیت سے متاثر ہو کر میں فوراً کہہ اٹھا۔
''پیسے کیا، میں کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔''
یہ سنتے ہی وہ مسکرا دیا۔
اور پھر دوسرے ہی دن، میرا وہ کام جیسے چٹکی بجاتے ہی حل ہو گیا۔''

سمجھوتہ

سورج کی پہلی کرن پڑتے ہی جیسے پھول کھل اٹھتے ہو۔ ویسے ہی اُسے دیکھ کر میرا دل کھل اٹھا...... مجھے پہلی بار نظر میں ایسا لگا کہ جیسے ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہوں۔

میں نے اُسے اپنے ایک عزیز کی شادی میں دیکھا تھا پہلی ہی نظر میں مجھے اس سے محبت ہوگئی اور میں اس پر دل وجان سے فریفتہ ہوگیا۔ اس سے ملاقات کے بہانے ڈھونڈنے لگا۔ بس ہر وقت اس سے ملنے' اس سے بات کرنے کے لئے بے چین رہنے لگا۔ وہ میرے دل ودماغ پر اس طرح چھا گئی کہ اس کے بغیر جینے کا تصور بھی ادھورا سا لگنے لگا۔

آخر میں اس کا پیار پانے میں کامیاب ہوگیا۔

ہم دونوں ایک ہوگئے۔ میری اس سے شادی ہوگئی۔

لیکن شادی کے چند دن خوشگوار گزرنے کے بعد میری اس کی کسی بات پر ان بن ہوگئی۔ اور پھر معمولی سی معمولی بات پر تکرار ہونے لگی جو معمول بن گئی۔ میری اچھی بات بھی اسے گراں گزرنے لگتی۔ اور اس طرح اکثر وہ مجھ سے ناراض رہتی۔ اور میں بھی اس سے خفا خفا سا رہتا۔ جب روز بروز ہم دونوں میں اختلافات اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراضگی بڑھنے لگی۔ اور اُسے سمجھانے کی میری تمام کوششیں ناکام ہوگئیں۔ تو بالآخر ہم نے اپنی مرضی سے' ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلی.....!!

فیصلہ

''میں تم سے ناراض ہوں اور نہ ہی خوش'....

تم میرے دشمن بھی نہیں ہو.........مگر دوست بھی تو نہیں'......

اگر چہ کہ تمھاری ملاقات برسوں پرانی ہے۔

لیکن آج بھی تم میرے لئے بس ایک شناسائی جیسے ہو'....

اور اب میں تمہیں اسی حیثیت سے ... جاننا چاہتا ہوں۔

نہ جانے کیوں.........''!

نئی قدریں

میرا ایک قریبی دوست' ایک عرصے کے بعد مجھ سے ملنے آیا اور آتے ہی بڑی لجاجت بھرے لہجے میں کہنے لگا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں کہ اپنی مصروفیت کے سبب مدت کے بعد مل رہا ہوں۔ دراصل اب بھی میں اپنے ایک کام کے سلسلے میں ملاقات کے لئے آیا ہوں۔''

''اس میں شرمندگی اور پشیمانی کی کیا بات ہے بھئی۔ میں بھی تو اپنے قریبی دوست واحباب اور رشتہ داروں سے بھی اپنی مصروفیت کی وجہ سے اکثر کم ہی مل پاتا ہوں۔ اور کبھی ملتا بھی ہوں تو اپنے کام سے.... بالکل تمھاری طرح.....!''

میں نے جیسے اس کا حوصلہ بڑھایا تو پھر وہ خوشی خوشی مجھ سے اپنی آمد کا مقصد بیان کرنے لگا.......!!

انجام

وباءزدہ شہر سے آئے ایک رشتہ دار کو اس نے صرف اس لئے قتل کر دیا کہ کہیں وہ خود اس وباء کا شکار نہ ہو جائے۔

اپنے ہی عزیز کا کام تمام کر کے اسے ٹھکانہ لگا کر جب وہ اپنے گھر پہنچا تو اسے بڑی طمانیت اور سکون کا احساس ہوا۔ صرف اپنی زندگی سے محبت اور نفسا نفسی نے اُسے بڑی سفا کی سے اپنے رشتہ دار کو جان سے مار دینے کی جیسے ہمت دیدی تھی۔ اور زمانے کی دین نے اسے صرف اپنے لئے جینے والا ہر طرح کے جذبات سے عاری ایک مشینی انسان بنا دیا تھا۔

لیکن دوسرے دن اچانک وہ بیمار ہو گیا۔ اور بیماری کی شدت نے اُسے دواخانے پہنچا دیا۔ جہاں ڈاکٹروں نے اُسے اس وبا سے متاثر قرار دیدیا۔

اور تیسرے دن لوگوں نے اخبار میں پڑھا۔

"وباء کے خوف سے اپنے رشتہ دار کو قتل کر دینے والا خود اس وبا کا شکار ہو کر مر گیا۔"

کنسیشن

حمل ساقط کروانے کے بعد ایک نوجوان لڑکی نے ڈاکٹر کا بھاری بل دیکھ کر اس لیڈی ڈاکٹر سے بڑی عاجزی سے کہا........

''میڈم پلیز' کچھ کنسیشن کیجیے نا' ۔ میں ایک اسٹوڈنٹ ہوں اور ابھی میری شادی بھی نہیں ہوئی ہے!...''

مدّاح

ادب کی خدمت کرنا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔

ایک معروف افسانہ نگار کی حیثیت سے اس کی اپنی ایک الگ شناخت تھی۔ دور دور تک اس کے نام کی شہرت تھی۔ اس کے بہت سے چاہنے والے اور مداح بھی تھے۔ جن کا اندازہ ان کے خطوط سے ہوتا تھا۔ جو ملک کے گوشے گوشے سے اس تک پہنچتے تھے اور اکثر لوگ رسالوں میں چھپی اس کی کہانیوں کو پڑھ کر اس سے ملنے بھی آیا کرتے تھے۔ ان ہی میں سے ایک صاحب ملاقات کے لئے اس کے گھر آئے اور بڑے تپاک سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"آپکے قلم کی سحر انگیزی نے مجھ پر تو جیسے جادو کر دیا ہے۔ میرا دل آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہو گیا اور میں بے اختیار آپ سے شرف نیاز حاصل کرنے چلا آیا۔ آپ سے مل کر میں اپنی خوشی کا اظہار نہیں کر سکتا۔"

اس طرح وہ پرستار اپنی پہلی تعارفی ملاقات کا گہرا تاثر چھوڑ گئے۔ اور اس ملاقات کے بعد اکثر و بیشتر وہ افسانہ نگار کے گھر آنے جانے لگے۔ ادب کی ڈھیر ساری باتیں کرتے اور ان کے افسانوں کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ایک کر دیتے۔ افسانہ نگار بھی اپنے اس مداح سے بہت خوش تھا اور اُسے بڑی عزت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔

لیکن ایک دن جب اس افسانہ نگار پر یہ راز کھلا کہ وہ صرف ان کا مداح ہی نہیں بلکہ وہ بھی افسانے لکھتا ہے اور افسانہ نگار بننے کی خواہش اس کے دل میں بھی مچل رہی ہے۔ اس لئے وہ اپنے افسانوں پر صلاح لینے کی غرض سے ایک فین کے روپ میں پہلی بار اس طرح سے ملا تھا۔ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ رکھنے والا وہ معروف افسانہ نگار اب اپنے مداحوں سے ملنے میں بھی محتاط ہو گیا۔

برعکس

اردو کے ایک ممتاز نقاد نے اردو زبان کی ترقی' ترویج واشاعت کے موضوع پر منعقدہ سیمینار میں اردو کے جائز مطالبات کے حصول کی یکسوئی کے لئے کہا کہ...

''حکومت کے ساتھ آج ہمیں خود بھی اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک لائحہ عمل تیار کریں۔ جس کے تحت اردو زبان کی ترقی اور ادب کا فروغ ممکن ہو سکے۔ اس سلسلے میں ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے بچوں کو اردو ذریعۂ تعلیم سے ہی پڑھوائیں۔ اردو ادب کے پروردہ ماحول میں رکھ کر زیادہ سے زیادہ انہیں پڑھنے لکھنے کے مواقع اپنے گھر اور اطراف میں پیدا کریں۔ اردو اخبارات ورسائل خرید کر خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دلائیں۔ اردو زبان کو صرف روزی روٹی کا ذریعہ نہ سمجھ کر اپنی زندگی کے معمولات کا ایک حصہ بنالیں۔ اسی وقت یہ ممکن ہے کہ اردو کی عالمگیر شہرت' اپنی تمام تر روایات کے ساتھ برقرار اور زندہ وتابندہ رہ سکتی ہے۔''

لیکن اس کے برعکس اس نقاد کے تمام بچے انگریزی ذریعۂ تعلیم سے پڑھ رہے تھے۔ ان کے گھر میں انگریزی اخبارات اور ماہنامے باقاعدگی سے آتے تھے۔ گھر کا سارا ماحول ماڈرن اور انگریزی میں ہی بات چیت کا چلن گھر میں عام تھا۔ البتہ ایک مولوی صاحب گھر پر ضرور آتے تھے۔ جو عربی کیساتھ ساتھ اردو بھی پڑھادیتے تھے اور یوں وہ اپنے اردو کے نقاد ہونے کا بھرم قائم رکھے ہوئے تھے۔

شہرت کا فرق

وہ ایک بہت اچھا شاعر تھا۔ اور اس کی بڑی مقبولیت تھی۔ اس کا کلام ملک کے مؤقر رسائل وجرائد میں شائع ہوتا تھا۔ اس کا نام ادبی حلقوں میں بڑی تیزی سے بامِ عروج کی بلندی کو چھونے لگا اور اسے خوب عزت وشہرت نصیب ہوئی...

لیکن اتنی دولت نہیں مل سکی۔ جس سے وہ اپنی مالی حالت کو سدھار سکتا، اور اپنی گھر گرہستی کو سنوار سکتا۔ شاعر کی خستہ حالی دن بدن بڑھنے لگی۔

اس کی شہرت گمنامی کے اندھیروں میں بھٹکنے لگی۔ روز بروز وہ مقروض ہو کر پریشان رہنے لگا۔ لیکن اپنے خونِ جگر سے سینچ کر غزلیں برابر کہتا گیا۔

لیکن پھر بھی مالی حالت بہتر نہ بنا سکا۔ جبکہ ایک گلوکار نے اس کی غزلیں گا کر شہرت، عزت کے ساتھ دولت کے انبار جمع کر لئے۔ عیش وعشرت اور مسرت کے دن اس کی زندگی میں اپنا جلوہ دکھانے لگے۔

اور بیچارہ مفلس شاعر، کنگال اور مقروض ہو کر آخر ایک دن خون تھوکتے ہوئے اس دنیا سے چل بسا مگر دنیا کو پتہ ہی نہیں چلا البتہ اس کی غزلیں ماحول میں ہر طرف گونجتی رہیں.....

ادھر گلوکار کی شہرت عزت اور دولت میں اضافہ ہوتا گیا۔

مگر شاعر اپنی موت کے بعد بھی گمنامی کے اندھیرے میں گم رہا.....!!

سوال

''پاپا' پہلے ہمارے لیڈر دیش کی آزادی کے لئے جیل جاتے تھے۔ مگر اب تو دیش آزاد ہو گیا ہے پھر بھی آج کل کے لیڈر جیل کیوں جاتے ہیں؟!''

''اب دیش کو بچانے کے لئے جاتے ہیں بیٹے''......

میں نے بچے کو سمجھاتے ہوئے کہہ تو دیا..........

لیکن میری آنکھوں کے سامنے حال ہی ہوئے مختلف گھپلے' حوالے' اور گھوٹالے کے شکنجے میں پھنسے کئی لیڈروں کے چہرے گھوم رہے تھے......!!

رفاقتیں

جب تک تم مجھ سے دور تھے تو اس دوری میں بھی قربت تھی۔ لیکن جب تم میرے قریب آئے تو تم سے جدا ہونے کا تصور بھی محال محسوس ہوا۔

لیکن کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد ہی جانے کیوں ایسا لگا کہ تم قریب آ کر مجھ سے جیسے بچھڑ گئے ہو......

اور مجھ سے نزدیک ہو کر بھی واقعی میرے دل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور ہو گئے ہوں.....!!

سنجوگ

اس شخص سے میری نہ تو گہری دوستی تھی۔ اور نہ ہی کوئی خاص شناسائی.... بس ہفتے میں دو ایک بار کہیں نہ کہیں ملاقات ضرور ہو جاتی تھی۔ البتہ اس کے بارے میں چند باتیں ضرور معلوم ہوئی تھیں جیسے کہیں نوکری کرتے ہیں مگر ابھی تک شادی نہیں ہوئی ہے۔ گھر کی ذمہ داریاں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اکثر ہماری ملاقات لائبریری میں ہوتی تھی۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ محبت آدمی کو بے تکلف بنا دیتی ہے۔ شاید اسی لئے ایک دن جب وہ لائبریری کے شیلف میں اپنی پسند کی کتابیں ڈھونڈ رہا تھا تو میں نے اس کی بے ترتیب بڑھی ہوئی بلیک اینڈ داڑھی' اور کھچڑی جیسے بکھرے ہوئے بالوں کی سمت دیکھتے ہوئے یوں تمہید باندھی۔

''میری کبھی تم سے نہ تو اتنی ملاقات رہی ہے کہ جسے دوستی کا نام دیا جا سکے۔ اس لئے اس حد تک بے تکلف تو نہیں ہو سکتا۔ ویسے بھی یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے تاہم بڑے دنوں سے تمہیں دیکھ کر جو سوچتا رہا ہوں وہ سب جانے کیوں آج کہنے کو جی چاہ رہا ہے کہ آخر تمہیں' تمہاری پسند کی لڑکی کب ملے گی اور کب تک تم صرف کتابیں ہی ڈھونڈتے رہوگے؟!..... پہلے تو وہ میری بے تکلفی پر خفیف سا مسکرایا۔ اور پھر اپنی عادت کے مطابق دور خلاؤں میں گھورتے ہوئے بولا۔

''میری پسند کی لڑکیاں تو بہت ہیں۔ مگر میں ان کے لائق نہیں'.... اس لئے کہ وہ بہت زیادہ پڑھی لکھی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔''

یہ سن کر اچانک میرے ذہن میں اپنی خالہ زاد بہن کا چہرہ گھوم گیا جو ایک مدت سے پیغام کے انتظار میں اپنی ماں کی دن رات کی پریشانیوں کا سبب بنی' اپنے باپ کے گھر میں سب پر بوجھ بنی بیٹھی ہے اب تو سر میں چاندی کے تار بھی چمکنے

لگے ہیں۔ لیکن شاید............وہ ان کے لائق نہیں۔ اس کے مقابلے میں یہ تو بہت پڑھے لکھے ہیں۔'' میں نے دوسرے ہی پل سوچا۔

وہ صاحب پھر کتاب ڈھونڈنے میں مصروف ہوگئے تھے۔ اور اب میں ان کی طرح خلاؤں میں گھورنے لگا...!!

سوچ کا سفر

یہ اس وقت کی بات ہے جب کوئی کسی کی بات پر دھیان نہیں دیتا تھا۔ نہ کوئی کسی کی خبر رکھتا تھا۔ اور نہ ہی فکر کرتا تھا..... حالانکہ یہ وقت تو خبروں کی دنیا سے بھرا پڑا تھا.... لیکن پڑوسی کے گھر میں آگ بھی لگ جاتی۔ تو سامنے والا یہی کہتا کہ ''ہمیں کیا لینا دینا'.... یہ تو اس کا اندورنی معاملہ ہے اور اس کا اپنا مسئلہ ہے۔'' کہہ کر ٹال دیا جاتا۔

اور یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بے حسی کا ایک عجیب سا عالم چھایا ہوا تھا۔ شاید اسی لئے ایک وقت آیا جب... مسجدیں گرادی گئیں.. مندر توڑے جانے لگے۔ درگاہوں کا تقدس پامال کیا جانے لگا..... ایسا بھی نہیں کہ کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوئی' کوئی ہنگامہ نہیں ہوا ہو..... شور بہت مچایا جاتا لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی اور اس طرح تباہی کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔

ان حالات میں وہ اکثر سوچتا.... ''آخر انسان کب جاگے گا؟!''

شاید اس وقت جب پڑوسی کی کسی معمولی سی بات پر آگاہ ہو کر وہ تڑپ اٹھے گا۔ کسی دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک ہو سکے گا تو پھر شاید کوئی مسجد شہید ہوگی نہ مندر ہی ٹوٹے گا اور نہ ہی کوئی درگاہ آگ کے شعلوں میں خاکستر کی جائے گی۔.....شاید پھر یہ سب کچھ بھی نہیں ہوگا؟!.. مگر یہ سب کب ممکن ہوگا؟!......آخر کب.....؟!

شاید جب انسان جاگے گا!........................ لیکن انسان آخر کب جاگے گا؟!.....

وہ اپنے آپ میں بس سوچتا رہ گیا....

حقیقت

وہ تیزی سے ابھرتا ہوا ادب کا اہم نام بن گیا تھا اور اس مقام تک پہنچنے کے لئے اس نے بڑی محنت وتگ ودو کی تھی ۔ مختلف اخبارات رسائل وجرائد میں خود کو نمایاں طور پر پیش کرنے کے ساتھ ہی اپنے وقت کے ہر ذرائع وابلاغ کے ذریعے اپنی تخلیقات' لوگوں تک پہنچانے کی بھرپور کوشش کرتا۔

ملک اور سماج کے تیئں' اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے سلگتے ہوئے موضوعات پر قلم اٹھاتا اور اپنے ماحول میں پھیلی بے حسی' نفسا نفسی' خود غرضی کے بڑھتے ہوئے چلن پر تڑپ اٹھتا اور ایسے وقت میں اس کا قلم کسی (ڈاکٹر) سرجن کے نشتر کی طرح کام رکھتا۔اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ہم عصر پیش رو ادیبوں اور شاعروں کے فن اور شخصیت پر تنقیدی مضامین لکھتا اور ان کی عزت افزائی کرتا۔نئی نسل کے لکھنے والے قلمکاروں کی حوصلہ افزائی کر کے انہیں آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتا۔اور میڈیا کے عام چلن کے سبب فنکاروں کی ناقدری کے المیے کو بڑی شدت سے محسوس کرتا اور اس درد پر اس کا دل تڑپ اٹھتا۔ اسی سبب وہ خود کو زیادہ سے زیادہ مقبول عام بنانے کی کوشش میں لگا رہتا اور ہر وقت کسی نہ کسی اخبار اور رسالے کی سرخی میں خود کو زندہ رکھنے کی جدوجہد جاری رکھتا۔

لیکن جب اس کا انتقال ہوا تو کسی بڑے یا چھوٹے اخبار میں دو سطر کی خبر تک نہیں چھپی .... کسی رسالے نے نہ اسے خراجِ عقیدت پیش کیا اور نہ ہی کہیں تعزیتی نشست تک ہوئی۔شاید کسی کو معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ اب دنیا سے اٹھ چکا ہے۔جو زندگی بھر خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کیساتھ دوسرے فنکاروں کو بھی بڑھاوا دینے میں مصروف رہتا تھا۔

لیکن اسے مَرنے کے بعد بھی کسی نے یاد نہیں رکھا...

شاید ادبی دنیا میں اب مردہ پرستی کی روایت بھی مر چکی تھی۔!

اعتماد

سب سے کٹ کر رہنے اور اس طرح تنہا جینے سے تمہیں اپنے اکیلے ہونے کا احساس نہیں ہوتا ہے!''.....

''نہیں، بالکل نہیں!''

''مگر وہ کیسے؟!''....

''میں اتنا مصروف رہتا ہوں کہ اس طرف کبھی میرا دھیان ہی نہیں جاتا۔''

''مصروف رہتے ہو یا خود کو مصروف رکھنے کی محض کوشش کرتے ہو۔''

''تم اب کچھ بھی سمجھو...''

''لیکن یہ محض، تمہارا بھرم ہے۔ ورنہ جب اکیلے ہوتے ہوں گے تو واقعی خود کو......!''

بات کاٹ کر وہ درمیان میں بول پڑا.....

''میں اور تنہا.....نہیں.....مجھے تو اپنے اکیلے ہونے کا احساس ہی نہیں ہوتا ہے۔''

''لیکن جس دن تمہاری ساری مصروفیتیں ختم ہو جائیں گی تو تم بالکل خالی خالی محسوس کرو گے خود کو.....!''

''شاید اس دن میں جی نہیں پاؤں گا'.....لیکن تم فکر مت کرو وہ دن میری زندگی میں کبھی نہیں آئے گا کہ میری مصروفیتیں مجھے تنہا نہیں ہونے دے گی...''

اس نے بے حد پر اعتماد لہجے میں جواب دیا.....

لیکن جانے کیوں یہ سب کہتے ہوئے وہ خود کو ٹوٹتا ہوا محسوس کرنے لگا... مستقبل کی آنکھوں میں.....!!

ناکام حسرت

حقیقی زندگی میں اپنی محبت میں ناکام، ممتاز فلم ہدایت کار نے اس موضوع پر اس قدر ٹوٹ کر اور اس موضوع میں اس طرح ڈوب کر فلم بنائی کہ فلم ہر جگہ بے انتہا کامیاب رہی۔ ملک کے کونے کونے سے اُسے پذیرائی، مقبولیت اور پسندیدگی کے تحفے ملے کئی اچھی فلموں کے آفر بھی ملے۔

اس کے انٹرویو سٹیلائٹ کلچر میں پھیل کر اس کی شہرت کے جھنڈے گاڑنے لگے۔ اس کی مقبولیت کے ڈنکے بجنے لگے۔ ہر جگہ اس کی فلم کا چرچا ہوتا رہا غرض وہ اور اس کی فلم ہر جگہ موضوع بحث بنے رہے۔

لیکن وہ خود اپنی زندگی کی اس ناکام حسرت کو بس یاد کرتا ہوا دل مسوس کر رہ گیا جس کی حقیقت کو اس نے سلولائیٹ پر فلمایا تھا.....!!

ڈھونگ

جب آدمی تنہا ہوتا ہے تو سہارے ڈھونڈتا ہے۔
لیکن جب وہ سب سہاروں کے ساتھ رہ کر بھی خود کو بالکل اکیلا محسوس کرنے لگتا ہے تو پھر یہ تنہائی کا احساس اس کا جینا دوبھر کر دیتا ہے۔ اور وہ سارے سہارے بھی جھوٹے لگتے ہیں۔
لیکن جب اپنے تنہا ہونے کا احساس زندگی کا ایک ایسا کڑوا سچ بن جاتا ہے جس کا زہر وہ لمحہ لمحہ پیتا ہے۔ مگر یہ اور بات ہوتی ہے کہ پھر وہ زندگی میں اپنے جیون کے امرت بن جانے کا ڈھونگ رچاتا رہتا ہے....!!

تاکید

اس نے محبت کے نشہ میں چُور اپنے بیٹے کو تاکید کی کہ وہ اپنی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت سے باز آجائے........

اس نے اپنے بیٹے کے کیریئر کی شروعات ایک ایسی فلم سے کی تھی جس کا موضوع بھی محبت تھا۔ جس کی کہانی میں ہیرو اپنی محبت کو پانے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتا ہے۔ قربان کر دیتا ہے اور حالات کے سرد گرم سے ٹکر لے کر آخر اپنی اس محبت کو پانے میں کامیاب رہتا ہے۔

یہ فلم بے حد کامیاب اور سپر ہٹ ثابت ہوئی۔

اور اس کی کامیابی کے ہر طرف چرچے رہے۔

لیکن ایسے ماحول میں اُسے اپنی ناکام محبت کی خلش محسوس ہوئی اور ساتھ ہی اپنے باپ کی تاکید یاد آئی۔ جو اس کی نظر میں ذمہ دار باپ کی بالکل غیر ذمہ دارانہ بات تھی........

لیکن وہ اپنی ناکام محبت کی کسک کو اپنے دل میں محسوس کرنے کے علاوہ حقیقی زندگی میں اور کچھ نہ کر سکا۔

آخر کب؟!

عدالت کے باہر ہجوم کے پاس کھڑی' ایک ادھیڑ عمر کی غریب بیوہ کہہ رہی تھی کہ.....

''میری جائیداد کا مقدمہ بورڈ پر کس تاریخ کو آئے گا۔ کب فائل ہوگا۔ بیانات کب قلمبند ہوں گے اور پھر بحث کس وقت شروع ہوگی۔ میں پوچھتی ہوں میرا مقدمہ کسی نتیجے پر پہنچے گا بھی یا نہیں! اور میرے حق میں کوئی فیصلہ ہوگا بھی تو آخر کب؟!''

وہ جیسے سانس لینے لمحہ بھر کی اور پھر نہایت مایوسی کے عالم میں دوبارہ بولی...

''یہ بڑے بڑے لیڈروں کے گھپلے' حوالے اور گھوٹالوں کے مقدمے اگر یونہی چلتے رہیں گے تو ہم غریبوں کو انصاب کب ملے گا؟!....

ہمارا نمبر کب آئے گا؟! آخر کب؟!...''

بڑھیا کی بات سن کر ہجوم میں سناٹا چھا گیا۔

''محبت بند ہے''

جب میں نے اُسے بتایا کہ......

''پائپ لائن کی اچانک خرابی کی وجہ سے آج نل بند رہے گا''......

شٹ ڈاؤن کے سبب بجلی بھی بند رہے گی....اور اچانک قیمتوں میں اضافہ کی وجہ سے احتجاجاً پٹرول اور ڈیزل بھی بند ہے''!.....

تو یہ سن کر اس بوڑھے نے بے ساختہ کہا......

''بھئی ان چیزوں کے بند ہونے کی وجہ سے اب کوئی تکلیف نہیں ہوتی ہے کہ اکثر اس طرح کی چیزیں بند رہتی ہیں..''دور خلاؤں میں گھورتے ہوئے وہ پھر بولا۔

''شاید اب عادت سی ہوگئی ہے.....لیکن آج کل کی اولاد نے میاں اپنے ماں باپ سے محبت کرنا جو بند کر دی ہے اس کا کیا ہے بھئی؟

اب مجھے ہی دیکھو نا' اس بوڑھاپے میں میری اکلوتی اولاد اپنا الگ گھر بسا کر مجھے تنہائیوں میں یوں چھوڑ کر چلی گئی ہے جیسے اس بھری دنیا میں میرا کوئی اپنا نہ ہو....''

!یکبار پھر دور خلاؤں میں گھورتے ہوئے وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بڑے ہی کربناک لہجے میں بولا.....!!

''میاں' اس عمر میں ''محبت بند ہے'' کی یہ تکلیف اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتی ہے.....!!''

جواز

''تم پان نہیں کھاتے' سگریٹ نہیں پیتے'...تمبا کو بھی نہیں کھاتے ہو...اور شراب کو تو کبھی ہاتھ تک نہیں لگاتے ہو تو پھر تم کیا لکھ سکو گے...؟! بھئی تم کیا غموں کے پہاڑ گرا سکو گے۔ زندگی کی سچائی کی کس طرح عکاسی کر سکوں گے اور دنیا کے سارے دکھ درد کیسے محسوس کر سکوں گے ؟!....''

''ہاں' یہ سچ ہے کہ میں ان ساری چیزوں کا کوئی شوق نہیں رکھتا ہوں۔ لیکن میں تو غم پیتا ہوں دکھ جیتا اور لہو روتا ہوں۔ تو پھر ان فرضی سہاروں کی کیا ضرورت ہے۔ کہ غم تو اپنی داستان خود بولتے ہیں۔ میرے بھائی' دکھ کو لکھنا نہیں پڑتا ہے۔ وہ تو خود بخود الفاظ کی شکل میں ڈھل جاتے ہیں کہ آنکھوں کو بھی رلانا نہیں پڑتا ہے۔ جب وہ غم سے لبریز ہو جاتی ہیں تو بے اختیار چھلک پڑتی ہیں...''!!

یہ کہکر میں سوال کرنے والے چہرے کو دیکھنے لگا جہاں ہوائیاں اڑ رہی تھیں.......!!

تعلقات

وہ ایک ابھرتا ہوا مگر اچھا افسانہ نگار تھا۔ لیکن اس کی سب سے بڑی مجبوری یہ تھی کہ اس کی شخصیت پر نومولود کی لیبل لگا ہوا تھا۔ اس لئے ہمیشہ نظر انداز کر دیا جاتا۔

پرانے لکھنے والے اس کی خاطر خواہ ہمت افزائی نہیں کرتے بلکہ جہاں تک ان سے بن پڑتا اس کے حوصلے پست کرتے تاکہ یہ کبھی آگے بڑھنے کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے.....

لیکن پھر بھی وہ اپنے ادبی مجاذ پر ڈٹا رہا۔ سماج کے گھناؤنے روپ کو بے نقاب کرتا رہا.........

آج اپنے اسی مقصد کے تحت وہ ریڈیو اسٹیشن چلا گیا تاکہ اپنا افسانہ نشر کروا سکے......

لیکن اسٹیشن ڈائریکٹر نے یہ کہہ کر اس کا افسانہ ریڈیو پروگرام میں شامل نہیں کیا کہ وہ کسی ڈگری کا مالک نہیں ہے اور پھر اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا.......

''وہ ابھی نومولود افسانہ نگار ہے۔ اسے کافی محنت کی ضرورت ہے۔''

لیکن ایک دن یہ سن کر اس افسانہ نگار کی حیرت کی انتہاء نہ رہی جب ایک بالکل نئے افسانہ نگار کا افسانہ اسی ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہو رہا تھا حالانکہ اس نو آموز افسانہ نگار کے پاس بھی کوئی ڈگری نہیں تھی لیکن وہ اسٹیشن ڈائریکٹر کا اچھا دوست تھا۔

رجحان

سینما ہال کے وسیع وعریض ہال کے پردے پر فلم چل رہی تھی.....

فلم کی ہیروئن ایک جسم فروش عورت تھی۔ اور ہیرو بڑے گھر کا ایک بگڑا عیش پسند نوجوان تھا۔ ایک دن جب وہ اس کے کوٹھے پر پہنچتا ہے تو اس کے حُسن میں اس طرح محو ہو جاتا ہے کہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ اس جسم فروش کی دلفریب ادائیں اور ناز وانداز اُسے اس طرح لبھانے لگتے ہیں کہ نوجوان اس کے حُسن کے جال میں پھنس کر دامِ محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے اور اسے اس کوٹھے سے اٹھا کر اپنی کوٹھی، یعنی بنگلہ نما گھر میں لانا چاہتا ہے۔ لیکن سماج کی ان گنت بندشوں اور اپنے ماں باپ کی عزت، شان وشوکت سے مجبور ہونے کی وجہ سے اُسے شہر سے دور ایک عالیشان ہوٹل میں ٹھہراتا ہے کہ..... اچانک..... انٹرول ہو جاتا ہے۔

شائقین کی دلچسپی مگر برقرار رہتی ہے.....

''وہ دونوں ایک دوسرے میں دن رات کھوئے ہوئے دکھائے جاتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ وہ جسم فروش عورت اس کی بیوی بن جاتی ہے۔ مندر جا کر وہ بھگوان کے سامنے اسے اپنی پتنی کے روپ میں قبول کر لیتا ہے۔''

ابھی فلم یہیں تک پہنچی تھی..... کسی انجام کو پہنچنے والی ہی تھی اور ابھی فلم چل ہی رہی تھی کہ لوگ ایک ایک کر کے اٹھ کر جانے لگے۔ جب شائقین بڑی تعداد میں جانے لگے تو مجھے بڑی تشویش ہوئی۔ دل میں سو سو اندیشے جنم لینے لگے۔ وسوسے اپنا سر ابھارنے لگے۔ کہیں کچھ گڑبڑ تو نہیں ہو گئی ہو؟!... آج کل حالات کچھ ایسے ہیں کہ فضا، ہوا بدلتے دیر نہیں لگتی.....

آخر میں نے ہمت کر کے گہرے اندھیرے اور ہلکے اُجالے جیسے ماحول میں اپنے بالکل قریب سے جاتے ہوئے شخص سے پوچھ ہی لیا۔

''بھئی' کیا بات ہے لوگ کیوں اٹھ اٹھ کر جا رہے ہیں کہیں کچھ......؟!''

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ بول پڑا......

''فلم تو چل رہی ہے لیکن اب آگے دیکھ کر کیا کریں گے' ....

کوٹھی والی گھر والی جو بن چکی ہے.....

سالا ڈائریکٹر اب ہیروئن کا جسم کیا خاک دکھائے گا؟!''

ایک موٹی سی گالی دے کر وہ سینما ہال کے دروازے سے باہر نکل کر میرے تجسس کو پل بھر میں زائل کر گیا۔

''غنیمت' محبت''

''بچوں' تمہارے دادا کو کھانسی (دمہ) کی بیماری ہے اور دادی کو جلدی امراض کی۔ یہ دونوں لگنے والی ہے۔ اس لئے ہم نے ان کا بستر کھانا پینا اور رہنے کی جگہ کا بھی الگ انتظام کر دیا ہے تم ان کے قریب مت جایا کرو اور ان کو چھونا بھی مت' سمجھے''۔

ماں نے اپنے بچوں کو ہدایت کی۔

دادا اتفاق سے دروازے کی آڑ سے ہی کھڑے تھے۔ اپنی بہو کی یہ باتیں سن کر دل مسوس کر رہ گیے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے خود کو سمجھاتے ہوئے اپنے آپ سے کہا..... ''اپنے بچوں کو گلے لگا نہیں سکتے' انہیں چھو نہیں سکتے۔ اپنے قریب لے کر محبت بھی نہیں کر سکتے تو کیا ہوا' یہی کیا کم غنیمت ہے کہ انہیں کم از کم دور سے دیکھ تو سکتے ہیں نا.....!!''

غلطی

میں نے ایک گھریلو معاملے میں اپنے قریبی رشتہ دار سے ان کی حمایت نہ کرتے ہوئے سچ سچ کہہ دیا تو وہ بُرا مان گئے۔

اور پھر انہوں نے مجھے ہی سب کی نظروں میں معتوب ٹھہرا دیا......

کیوں کہ میں نے سچ بولنے کی غلطی کی تھی......

شاید میں اپنے زمانے سے بہت بعد میں پیدا ہوا ہوں۔

اسی لئے مجھے آج کی دنیا کے طور طریقے اور چلن کا علم نہیں.....!!

اپنے حصّے کا دکھ

گھر کے حالات اچانک یوں بدلے کہ تعلیم ادھوری چھوڑ کر ملازمت سے منسلک ہونا پڑا۔

کچھ عرصہ کے بعد شادی ہوئی اور ذمہ داریاں بڑھتی گئیں۔

اور پھر وقت کے ساتھ ذمہ داریوں کا بوجھ کچھ ایسا پڑا کہ کنپٹیوں کے بال سفید ہونے لگے....

اور ایک دن میرا پورا سر چاندی کا ہو گیا۔

اور اسی طرح دیکھتے ہی دیکھتے ایک روز سر میں چاند نظر آنے لگا۔

مگر میرے اپنے حال سے بے نیاز، ایک روز بیگم نے بڑی بے رخی سے سخت لہجے میں کہا۔

''تمہیں گھر کی بھی کچھ فکر ہے..... تینوں بیٹیاں جوان ہو چکی ہیں۔....!''

نئی تہذیب

میں نے اپنے ایک قریبی دوست سے شکایت کرتے ہوئے کہا۔

''ارے بھئی'' تم نے مجھے اپنے بیٹے کی شادی میں دعوت نہیں دی۔ میں نے سنا تو بڑی خوشی ہوئی۔ خیر۔ بھئی مبارک ہو۔''

یہ سن کر اس نے بڑے دکھ اور تاسف بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''تمھاری شکایت بجا ہے۔ لیکن میں خود بھی اپنے بیٹے کی شادی میں شریک نہیں تھا۔''

''مگر کیوں' وہ کیسے' میں کچھ سمجھا نہیں؟!'' میں نے بڑی حیرانی سے پوچھا۔

''اس لئے کہ اس نے مجھ سے پوچھے بغیر' چپکے سے شادی کر لی۔ اور مجھے خود بعد میں اس بات کا علم ہوا۔''

میرے اس دوست نے بڑی بے بسی سے جواب دیا۔

"پھول کے آنسو" کے بارے میں ممتاز اہلِ قلم کی آراء و تاثرات

"اور اس کتاب کے بعض افسانچے اس امید کا جواز پیش کرتے ہیں کہ وہ اپنے پیہم مطالعہ، مشاہدہ اور شرکت سے افسانچہ کے فنی رموز سے بخوبی آشنا ہو کر اپنی مختصر تحریروں میں نہایت پر گو معلوم ہونے لگے گا۔ اس کا شوق واقعی اس قابل ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے۔"

جوگندر پال۔ (دہلی)

"دراصل ضمیر کو جھنجھوڑنے کا کام جدید ادیبوں نے شروع کیا تھا۔ اب جدید تر ادیبوں نے اس سے زیادہ agressive انداز اپنایا ہے۔ عظیم راہی کے منی افسانے ادب کا یہی فکشن پورا کرتے ہیں۔ تضادات کی نقاب کشائی اور آئینہ بھی دکھانے کا کام بڑی بے دردی سے کرتے ہیں۔"

قاضی سلیم

(اورنگ آباد)

"منی افسانہ بھی ایک فنی تجربہ ہے۔ اس کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار بہت سی باتوں کے ساتھ ساتھ تجربہ کرنے والے افسانہ نگار کی فنی صلاحیتوں پر بھی ہوتا ہے۔ عظیم راہی کے اس مجموعے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ منی افسانوں کا مستقبل آج کے اچھے منی افسانہ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہے۔

مجھے امید ہے کہ عظیم راہی کا فن اگر اسی طرح نکھرتا رہا تو وہ اردو افسانہ نگاری میں بہت جلد اپنی شناخت بنالیں گے۔

ڈاکٹر عصمت جاوید شیخ

(اورنگ آباد)

”تمہاری تحریر بڑی صاف اور رواں دواں ہے اور مشاہدہ بھی خوب ہے کہانیوں کو مناسب پھیلاؤ اور موضوعات کو گہرائی میں جا کر چھونے کی عادت ڈالو تو بہت اچھے افسانے لکھ سکتے ہو۔

”پھول کے آنسو“ میرے نزدیک ایک نئے افسانہ نگار عظیم راہی کا پہلا نقش قدم ہے اور اس لحاظ سے قابل مبارکباد، میں امید کرتا ہوں کہ تم ادب کی راہوں میں دور تک سفر کرو گے اور کسی منزل کو آخری منزل سمجھ کر رک نہیں جاؤ گے کہ تصوف کے سلوک کی طرح ادب میں بھی سلوک کی انتہا نہیں۔“

انور خان (بمبئی)

جہاں تک عظیم راہی کا تعلق ہے اپنی طویل کہانیوں کی وجہ سے وہ اپنی صف کے افسانہ نگاروں میں سرفہرست ہیں۔ جب اپنی پہلی کتاب ”پھول کے آنسو“ انہوں نے مجھے پیش کی تو میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اخبارات کے لئے تو وہ طویل کہانیاں لکھتے ہیں۔ لیکن کتاب چھاپنے کا موقع آنے پر انہیں کہانیوں کو reduce کر کے افسانچے کے سانچے میں ڈھال دیتے ہیں۔ یہ بھی ان کا اپنا کمال ہے۔ ممکن ہے اس کے بعد وہ طویل افسانوں کی کتاب شائع کریں تو افسانچوں کو... reduce کرنے کی ضرورت محسوس ہو۔

قمر اقبال

معاون مدیر اورنگ آباد ٹائمز (اورنگ آباد)

”عظیم راہی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے منی کہانیاں لکھی ہیں۔ منی کہانی لکھنے کا فن بہت مشکل ہے۔ کیوں کہ کہانی نگار پر یہ ذمہ داری عائد ہو جاتی ہے کہ وہ کم سے کم الفاظ میں بڑی سے بڑی بات کہے۔ اس فن میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے کانٹوں بھری راہوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ عظیم راہی اس راہ پُر خار کے مسافر ہیں۔ ان کی بعض کہانیاں صرف کہانیاں ہیں۔ لیکن بہت سی کہانیاں ایسی ہیں جو ہمیشہ یاد رہیں گی۔“

”چند کہانیوں میں انسانی زندگی کے چھوٹے موٹے مسائل ہیں کچھ کہانیاں ایسی ہیں جن میں سماج کی برائیاں، اچھائیاں ہلکے پھلکے انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ کچھ کہانیاں تو آئینہ ہیں جن میں انسان کو اپنی اصلی صورت نظر آتی ہے۔“

قاضی مشتاق احمد (پونا)

''عظیم راہی کے یہاں ایک خوبی یہ ہے کہ ان کی کہانیاں صاف سیدھی ہیں۔ان میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں ہے۔علامت اور تجرید کے دور میں وہ اس الجھاد ینے والے فن سے دور ہیں۔دنیا کی بیشتر بڑی کہانیاں بڑی صاف سیدھی ہیں ان میں کسی قسم کا الجھاو، گھماؤ پھراؤ نہیں ہے۔یہ بات کہہ کر میں عظیم راہی کی کہانیوں کو دنیا کی بڑی کہانیوں کے برابر نہیں لانا چاہتا بلکہ یہ بات بتانا چاہتاہوں کہ انہیں تو کہانی بُننے کا فن آتا ہے۔اور مختصر کہانی کہنے کے لئے جو فنی مہارت درکار ہوتی ہے۔وہ عظیم راہی کی کہانیوں میں موجود ہے۔''

احمد عثمانی، مالیگاؤں

''عظیم راہی کے افسانے زندگی سے اپنی قربت کا احساس دلاتے ہیں اور اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان کا خالق موجودہ سماج ہی کا ایک فرد ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ یہ ایک حساس دل اور بیدار دماغ کا مالک بھی ہے۔جو کچھ دیکھتا ہے اسے قلمبند کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا، جو کچھ محسوس کرتا ہے۔اسے کاغذ پر لکھتے ہوئے کسی قسم کا خوف یا جھجک محسوس نہیں ہوتا اور زندگی کے المیہ اور طربیہ دونوں پہلوؤں کا بہ نظر غائر مطالعہ کرتا ہے اور پوری سچائی اور ایمانداری کے ساتھ اپنے محسوسات کو الفاظ کے سانچے میں ڈھال کر عوام کے پاس پیش کرتا ہے۔''

نذیر فتح پوری

مدیر ''اسباق'' - پونا

''عظیم راہی اپنی قوت مشاہدہ اور گہرے مطالعے سے اپنے ننھی افسانوں کو سیاسی سماجی اور معاشرتی نظام اور مسائل سے قریب تر کر کے متاثر کن کیفیتوں سے دوچار کرتے ہیں۔جس سے عظیم راہی کے منی افسانے فکروفن کی بلندیوں کو چھوتے نظر آتے ہیں۔''

سید احمد قادری

ایڈیٹر ''بودھ دھرتی'' گیا (بہار)

''فنی اور نظریاتی بحث کی گفتگو سے قطع نظر'' ''پھول کے آنسو'' خاصے کی چیز ہے۔جن منی افسانوں کی توجہ اور دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ان کہانیوں میں بے شک فنکار کے عمیق مطالعہ اور گہرے مشاہدے کو دخل ہے اور اس کی پیشکش بُری نہیں، بلکہ اپنی کوشش میں وہ کامیاب ہے۔''

نثار اعظمی مدیر اعزازی معلم اردو لکھنو (یوپی)

عظیم راہی کے منی افسانوں میں کہانی پن کا فقدان نہیں۔ وہ منی افسانہ میں بھی کہانی کے فیض کو جاری رکھنے کے قائل نظر آتے ہیں۔ جہاں تک ادب کا مقصد ہے عظیم راہی اس میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ کیونکہ ان کے افسانے قاری کے ذہن کو مسرت اور بصیرت جیسی دونوں جنتوں سے مالا مال کرتے ہیں۔

ان کے افسانچے ذہن پر بہترین تاثر چھوڑتے ہوئے انسان کو چونکانے اور جھنجھوڑنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور یہی عمل کسی فنکار کی کامیابی کی دلیل ہے۔

مرہٹواڑہ کی ادبی تاریخ میں منی افسانے کو تکنیکی اور فنی طور پر عظیم راہی نے جس سلیقگی سے برتا ہے وہ قابل ستائش ہے۔

ڈاکٹر مظہر محی الدین

(پرنسپل مولانا آزاد کالج اورنگ آباد)

"مختصر لفظوں میں کہانی کہنے کا فن عظیم راہی کو خوب آتا ہے۔ "پھول کے آنسو" کی کہانیوں میں جس طرح انہوں نے زندگی کے مختلف موضوعات کو سمیٹ کر پوری سچائی کے ساتھ پیش کیا ہے وہ ان کا ہی حصہ لگتا ہے میں انہیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ڈاکٹر عصمت جاوید کے اس خیال سے صد فی صد اتفاق کرتا ہوں کہ "عظیم راہی کے اس مجموعے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ منی افسانوں کا مستقبل آج کے اچھے منی افسانہ لکھنے والوں کے ہاتھوں میں محفوظ ہے۔"

ڈاکٹر محبوب راہی

بارسی ٹاکلی ،ضلع اکولہ

"پھول کے آنسو پڑھا" ہر افسانچہ اپنی جگہ ایک طویل کہانی سمیٹے ہوئے ہے۔ بقول جوگندر پال انگلی پر پربت اٹھانے کے اس فن کا آپ نے بخوبی حق ادا کر دیا۔

محمد طارق کھولاپوری

(چاندور بازار ،ضلع امراوتی)

"پھول کے آنسو" کے منی افسانوں میں وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جو ایک اچھے منی افسانے میں ہونی چاہئے۔ اگر منی افسانوں کی تکنیک کے میزان پر اس مجموعے کے افسانوں کو پرکھا جائے تو وہ تکنیک کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔

ایم مبین (بھیونڈی)

''عصری حسیت سے بھرپور ہونے کی وجہ سے ان افسانوں کا کردار ''وہ بھی'' میں محسوس ہوتا ہے گویا ''ان کا کرب'' پڑھتے وقت'' میرا اپنا کرب محسوس ہوتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ افسانہ نگاری میں کامیابی ہے کہ وہ اپنے قاری کو ''کردار'' کی نفسیات سے ہم آہنگ کردے۔

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط (کل گاؤں ضلع ایوت محل)

''پھول کے آنسو'' کی منی کہانیوں میں آپ کو ہر طبقہ ہر شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے کردار ملیں گے۔ ان میں ان کے سماجی، معاشی، سیاسی، فکری، ظاہری و باطنی تضادات ملیں گے۔ ان میں بعض کہانیاں ایسی ہیں جو آپ کے اور ہمارے ساتھ وقوع پذیر ہو چکی ہیں۔ ممکن ہے ہم ان کرداروں میں سے ایک رہ چکے ہوں۔''

اقبال شیدائی (مصنف فائے، پی)

عظیم راہی نے اس نئی صنف میں طبع آزمائی کی ہے۔ اور مجموعہ بھی شائع کیا ہے لیکن اس مجموعہ میں شامل زیادہ تر کہانیوں کا ٹیکنیک کمزور ہے۔ ہمیں اس صنف کو پھلنے پھولنے کا موقع دینا چاہیے لیکن احتیاط کے ساتھ۔

عظیم راہی کی اس کوشش کو بہر حال ہم یوں سراہتے ہیں کہ مستقبل میں اس نئی ایجاد نکوارد ملوب میں کوئی معتبر مقام دینے میں شاید وہ معاون ہوں۔

سید ظفر ہاشمی (مدیر ''گلبن'' احمد آباد)

''پھول کے آنسو'' خوبصورت کہانیوں کا ایک حسین سنگم ہے جو محبت، بیروزگاری، بھوک، خود غرضی، مجبوری، دھوکہ، گمراہی، فسادات، انسانیت، غم اور خوشی کے احساسات سے آج کے انسان کو واقف کرواتی ہے کہ یہ کہانیاں زندگی کے بالکل قریب سی لگتی ہیں اور آج کے ہر انسان کے لئے لمحہ فکریہ ہے یہ نہ صرف سبق آموز ہیں بلکہ ہر ذی شعور انسان کو دعوت فکر دیتی ہے۔ بہر حال اتنی خوبصورت کہانیاں لکھنے پر میری جانب سے آپ کو دلی مبارکباد۔

رحیم انور (کماریڈی، اے پی)

''پھول کے آنسو'' میں آپنے اپنی پلکوں سے چن لئے ہیں۔ اس بے حد پیارے ادبی تحفے کے لئے مشکور ہوں۔ اس مجموعے میں جہاں بہت سارے آنسو ہیں وہاں کچھ پھول بھی ہیں۔ منی افسانہ ''فرق'' نہ صرف اپنے اندر گہرائی ہے بلکہ آج کے سماج کی ایک تلخ حقیقت بھی ہے۔ ''مظلوم کا دل'' بھی ایک بہت اچھے

اور خوبصورت خیال پر مبنی افسانہ ہے۔ افسانہ ''مجبوریاں'' تو واقعی بہت عمدہ ہے۔ افسانہ ''آخری سوچ'' بھی ایک کرب انگیز حقیقت ہے اور اچھے پیرائے میں لکھا گیا ہے۔

ناظم خلیلی 'رائچور (کرناٹک)

افسانچوں میں آپ نے تمام موضوعات کا احاطہ کیا ہے سیاست' سماجی برائیاں' فردی فکروسوچ' سماج کے تئیں اس کے احساسات' عورت کی زندگی کی تلخیاں' ناکام محبت کا سوز' غرض کیا نہیں ہے اس مجموعہ میں......! پھر ایکبار مبارکباد قبول کیجئے کہ آپ نے اس قدر خوبصورت منی افسانوی مجموعہ شائع کیا ہے۔

سید عباس '(عمرکھیڑ' ضلع ایوت محل)

عظیم راہی ایک تعلیم یافتہ نوجوان افسانہ نگار ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''پھول کے آنسو'' میں ۸۰ منی افسانوں میں آج کے بہت سے جلتے ہوئے مسائل پر قلم اٹھایا ہے۔ اس میں وہ کامیاب بھی ہیں اور ناکام بھی'.... کہیں کہیں ان کے قلم نے ٹھوکریں بھی کھائی ہیں..... شناسا' محبت' ہمدردی' فریب زندگی راز' دردِ مشترک' اجنبی دوست' تصادم' انسانیت' خوشحال نگر' آخری سوچ' تردید' آئیڈیل' قاتل کون؟! ردِ عمل' منظروں کا زوال' زرِ مبادلہ' اور پہنچان وغیرہ میں عظیم راہی' اپنے اردگرد بکھرے ہوئے مسائل کو اپنے فن کی بھٹی میں تپا کر کہانی کا روپ دینے کی کوشش میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔

حسن نظامی کیراپی ' جمشید پور (بہار)

''پھول کے آنسو'' کا مصنف عظیم راہی کا افسانوی سفر ابھی بہت کم فاصلوں پر محیط ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ راستے کے موسمی سبزہ پر منزل کا گمان کرتے ہوئے انھوں نے افسانہ کے کارواں کا پڑاؤ ڈال دیا ہے۔

میں عظیم راہی سے مشورتاً صرف اتنا ہی کہوں گا کہ انہوں نے ایسی راہ کا انتخاب کیا ہے جہاں تجربوں کی آندھیاں بہت تیز چلتی ہیں اور اس راہ کے مسافر بھی کم ہیں۔ ان وقتی آندھیوں سے گھبرائے بغیر' اپنی الگ راہ متعین کرتے ہوئے وہ زندگی کے ٹھوس حقائق کے گرد اپنا قلمی سفر جاری رکھیں گے تو کامیاب رہینگے۔

معین الدین عثمانی (جلگاؤں)

DARD KIE DARMIYAN

(MINI STORIES)

By

AZIM RAHI